افراط زر اور مؤجل ادائیگیوں پر اس کے اثرات کا فقہی جائزہ

Jurisprudential Analysis of Inflation and Its Impacts on Deferred Payments

Sharifullah M.Musa Kaleem
Teacher of Fiqh and Usool e Fiqh
Jamia Dar Ul Uloom, Baltistan, Ghuwari
azzamsharif4@gmail.com

ABSTRACT:

This research paper studies inflation and its impacts on deferred payments. Qualitative method has been employed in this research. After brief literature review it reveals that If we review the effects of inflation on future debt from a Shariah perspective, the ancient jurists agree that in the event of a change in the value of *Thaman e Khalqi* (gold Dinar and silver Dirham), payment must be made in the same amount that is owed. But some jurists considered that the payment of value is obligatory in the event of changes in *Folus* (فلوس).

With regard to modern-day currencies, especially in the case of inflation, contemporary jurists have debated the rule of future debt, and many of them have emphasized the need to pay the same amount that is owed by debtor to avoid usury. On the other hand, some contemporaries argue that the value should be paid based on the price index. The third opinion of some contemporary jurists is that in the event of significant inflation that people do not neglect to do so, especially if it exceeds one third of the amount of future debt, it is fair to pay the value. Based on this view, some jurisprudential councils have issued *fatwas* in this regard.Researcher's inclination is towards ensuring equality in payments, and if any discrepancies occur, adjustments in payments are recommended only after the national shariah council's recommendation, with caution taken into consideration.

Key words: *ifrat-e-zar(inflation), moajjal Adaigi(Deffered Payment), misil, qimat, kasad, , rukhas, paper money,zar-e- istilahi, zar-e-khalqi*

تمہید:

اسلام کے ابتدائی ادوار میں کرنسی کا تعلق سونے اور چاندی سے تھا۔یعنی سونے اور چاندی کے مخصوص مقدار اور یونٹ کے سکے دینار ودرہم کی شکل میں رائج تھے۔دینار سونے کا اور درہم چاندی کے ہوتے تھے۔سونے اور چاندی کی قدر بڑھتی تو کرنسی(زر) کی قدر وقیمت بھی بڑھ جاتی اور جب ان کا معیار گھٹتا تو کرنسی کی قیمت بھی گھٹ جاتی۔یہ صورت حال بہت ہی بعد تک رہی۔

موجودہ زمانے میں کرنسی کا تعلق سونا اور چاندی سے کٹ گیا ہے۔[1] اب صورت حال یہ ہے کہ کرنسی کی قدر(Value) کا معیار اشیاء(Goods/Commodities) اور خدمات(services) کی قیمتیں مقرر ہے۔ اب کرنسی کی قدر کا تعلق قوت خرید (Purchasing power) سے ہے۔یعنی وہ قوّت جس کی بدولت کرنسی اپنے عوض دوسری اشیاوخدمات حاصل کرسکتی ہے۔

کرنسی بذات خود زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہوتی۔اس کو اس لئے حاصل کیا جاتا ہے تاکہ اس کی مدد سے دوسری اشیاء اور خدمات حاصل کی جاسکے۔اگر کرنسی کی مخصوص مقدار کے مقابلے میں زیادہ اشیاء یا سروس حاصل کرے تو کرنسی کی قدر زیادہ ہوگی اور اگر اس کے عوض میں کم اشیاء اور خدمات حاصل کرے تو کرنسی کی قدر کم ہوگی۔مثال کے طور پر سال ۲۰۲۲ء میں ۲۵ کلو آٹا کی قیمت دوہزار روپے جبکہ سال ۲۰۲۳ء میں اس کی قیمت تین ہزار روپے ہوجائے تو ہم کہیں گے کہ روپے کی قدر سال ۲۰۲۲ء میں زیادہ تھی جبکہ سال ۲۰۲۳ء میں کم ہوگئی ہے۔

اس طرح کرنسی کی قدر اور اشیاء وخدمات کی قیمتوں میں متضاد رشتہ ہے۔جب قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے تو کرنسی کی قدر گھٹ جاتی ہے اور جب قیمتوں میں کمی ہوتی ہے تو کرنسی کی قدر میں اضافہ ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں کرنسی(زر) کی قدر(Value) اشیاء اور خدمات سے وابستہ ہوگئی ہے۔اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کرنسی کی قدر اس کی قوت خرید(Purchasing power) پر منحصر ہے۔[2]

کرنسی کی قدر میں تغیرات:

ماضی میں سونے اور چاندی کے مخصوص سکے دینار اور درہم کی شکل میں رائج تھے جو کہ اصل کرنسی تھی جن کو زر خلقی کہا جاتا ہے۔ان دونوں کے ساتھ ساتھ حقیر اشیاء کی خرید وفروخت کے لئے دیگر معدنی سکے فلوس کے نام سے رائج تھے جس کو النقود الاصطلاحية(زر اصطلاحی) کہا جاتا ہے۔

کرنسی کے ساتھ گزشتہ زمانوں میں بھی تغیرات واقع ہوئے ہیں۔اس لئے فقہاء نے اس بارے میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ موجودہ زمانہ میں افراط زر کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے ان تغیرات کے بارے میں فقہاء کے آراء کا بھی تذکرہ ضروری ہے تاکہ معاملہ کو بہتر انداز میں سمجھنے میں مدد ملے۔

---

[1] سونے اور چاندی سے کرنسی کا تعلق ۱۹۷۱ء میں امریکی صدر نیکسن کے اعلان کے بعد سے مکمل طور پر ختم ہوگیا ہے۔(المرزوقی ، ڈاکٹر ناصح بن ناصح المرزوقی البقمی ، ضوابط النقد في الاسلام" المجلة العلمية لقطاع كليات التجارة جامعه ازهر' عدد ۱۳ ، جنوري ۲۰۱۵، ص: ۲۵٦)

[2] عثمانی، مفتی تقی،اسلام اور جدید معیشت وتجارت(کراچی: ادارۃ المعارف)،۱۰۸۔

زر خلقی اور زر اصطلاحی میں تغیرات:

زر خلقی (دینار و درہم) اور زر اصطلاحی (فلوس) میں واقع ہونے والے تغیرات سے متعلق فقہاء نے فقہی احکامات بیان کئے ہیں۔ بنیادی طور پر ان میں تین طرح کے تغیرات واقع ہوتے تھے:

- **انقطاع: لغوی معنی** الگ ہونے کے ہیں[3] جبکہ فقہاء کے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ عام شہر میں ایک مخصوص زر (کرنسی) دستیاب نہ ہوا گرچہ صرافوں (Money Changers) اور گھروں میں موجود ہو۔ اس بارے میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں

"وَحَدُّ الِانْقِطَاعِ أَنْ لَا يُوجَدَ فِي السُّوقِ وَإِنْ وُجِدَ فِي يَدِ الصَّيَارِفَةِ وَالْبُيُوتِ "[4]

(یعنی زر بازار میں دستیاب نہ ہوا گرچہ صرافوں کے پاس اور لوگوں کے گھروں میں موجود ہو۔)

(اگر کوئی زر دیگر شہروں اور علاقوں میں دستیاب ہو لیکن متعاملین نے جہاں لین دین کیا ہے اس شہر میں معدوم ہو تو اس صورت حال پر بھی فقہاء نے انقطاع کا اطلاق کیا ہے۔ علامہ خرشی مالکی لکھتے ہیں)

" وَالْعِبْرَةُ بِالْعَدَمِ فِي بَلَدِ الْمُعَامَلَةِ أَيْ فِي الْبَلَدِ الَّتِي تَعَامَلَا فِيهَا وَلَوْ وُجِدَتْ فِي غَيْرِهَا"[5]

(یعنی انقطاع میں زر کا معدوم ہونا اس وقت معتبر ہوگا جب وہ لین دین کرنے والوں نے جس شہر میں معاملہ کیا ہے اس شہر میں موجود نہ ہوا گرچہ دیگر شہروں میں موجود ہو۔)

- **کساد (Depression):** کساد کے معنی کھوٹے، بیکار اور کم تر ہونے کے ہیں۔ بے وقعت ہونے کی وجہ سے لوگ ایسی چیزوں میں رغبت نہیں رکھتے۔[6] فقہاء کے ہاں زر کے ساتھ تعامل ترک کرنے کا نام کساد ہے۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

" وَالْكَسَادُ: أَنْ تُتْرَكَ الْمُعَامَلَةُ بِهَا فِي جَمِيعِ الْبِلَادِ" [7]

(یعنی کساد یہ ہے کہ زر کے ساتھ تمام شہروں میں معاملہ ترک کیا جائے۔)

کسی زر کے ساتھ لوگوں کا خود بخود تعامل ترک کرنا یا حکومت کی طرف سے اس کی ثمنیت ختم کردینا وغیرہ وجوہات کساد کا باعث ہوسکتے ہیں۔

---

[3] ابن فارس، أحمد بن فارس بن زكرياء القزويني الرازي، أبو الحسين (ت ٣٩٥ھ) معجم مقاييس اللغة ،(دار الفكر بيروت لبنان، ١٣٩٩ھ) ماده (قطع): ١٠١/٥

[4] ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي ، رد المحتار على الدر المختار (مصر : شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده ، طبع دوم١٩٦٦ء)،٥٣٣/٤۔

[5] الخرشى، أبو عبد الله محمد بن عبدالله الخرشى المالكى ، شرح الخرشي على مختصر خليل (مصر : لمطبعة الكبرى الأميرية بولاق ،رطبع دوم،١٣١٧ھ)،١٠١/٥۔

[6] ابن فارس، معجم مقاييس اللغة ، (كسد)، ص:١٨٠/٥۔

[7] ابن عابدين، رد المحتار على الدر المختار : شرح تنوير الأبصار (حاشية ابن عابدين)،٥٣٣/٤۔

انقطاع اور کساد میں فرق:

انقطاع کی صورت میں زر غائب اور معدوم ہو جاتا ہے جبکہ کساد میں زر باقی رہتا ہے لیکن لوگ اس کرنسی کے ساتھ تعامل ختم کر دیتے ہیں۔

لہذا کساد کی وجہ سے زر اصطلاحی کی ثمنیت ختم ہو جاتی ہے اور اس پر سلع (سامان) کا حکم لاگو ہو جاتا ہے۔

- **الغُلاء والرُّخَص**: اس کا مطلب واضح ہے۔ یعنی غلا سے مراد زر کی قدر و قیمت بڑھنا اور رخص سے مراد زر کی قدر گھٹ جانا ہے۔

زر خلقی میں انقطاع کا حکم:

سونے چاندی کے زر (**النقود الخلقية**) میں معاملہ کرنے کے بعد ثمن، اجرت اور قرض وغیرہ وصول کرنے سے پہلے زر میں انقطاع واقع ہو جائے تو اس معاملہ پر کیا اثرات و نتائج مرتب ہوں گے؟

اس صورت میں امام ابو حنیفہ کے ایک قول کے مطابق معاملہ فاسد ہو جائے گا۔[8] معاملہ فاسد ہونے کے نتیجے میں بیع میں مشتری مبیع واپس کرنے اور اجارہ میں مستاجر پر اجرت مثل ادا کرنا لازم ہوگا۔ کیونکہ زر ختم ہونے کی وجہ سے لین دین کے ثمن میں تغیر واقع ہوا ہے اور ثمن اصل حالت میں باقی نہیں رہا اور عقد معاوضہ ثمن معلوم کے بغیر نہیں ہوتا، زر کے ختم ہونے کی وجہ سے ثمن مجہول ہو گیا، لہذا معاملہ فسخ ہو جائے گا۔

البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک معاملہ قرض ہونے کی صورت میں وہی زر اور عدد یعني مثل واپس کرنا ہوگا جو قرض میں لیا گیا ہے اگرچہ اس کی تلاش میں مشکلات کا بھی سامنا ہو۔ علامہ ابن نجیم اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"أَنَّ الْقَرْضَ إعَارَةٌ وَمُوجِبُهَا رَدُّ الْعَيْنِ مَعْنًى، وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ بِرَدِّ مِثْلِهِ وَالثَّمَنِيَّةُ زِيَادَةٌ فِيهِ " [9]

(یعنی قرض عاریت ہے جس میں معنوی طور پر عین واپس کرنا ہوتا ہے۔ قرض میں لیے گئے زر کی مثل واپس کرنے سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور ثمنیت زر کا ایک اضافی وصف ہے (جس کا انقطاع و کساد کي وجہ سے ختم ہونے سے قرض کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا)۔

---

[8] ابن عابدين، تنبيه الرقود على مسائل النقود (اسطنبول : دارسعادت، ۱۹۰۷ء) ،۶۰۔

[9] ابن نجيم ، زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (ت ۹۷۰ھ)' البحر الرائق شرح كنز الدقائق (دار الكتاب الاسلامي، طبعه دوم)، ۲۲۰/۶۔

شافعیہ کے ایک قول کے مطابق انقطاع کی صورت میں مؤجل ادائیگیوں میں مثل واپس کرنا ہوگا کیونکہ اگر گندم میں بیع سلم کرنے کے بعد گندم کی قیمت میں کمی یا بیشی ہو جائے تو گندم ہی دینا ہوتا ہے اسی طرح صورت مذکور میں بھی عقد کے مطابق وہی زر واپس کرنا ضروری ہے۔ شافعیہ کے دوسرے قول کے مطابق زر میں انقطاع واقع ہونے کی صورت میں بائع کو بیع فسخ کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔[10]

امام ابو حنیفہ کا دوسرا قول، صاحبین (مذہب میں مفتی بہ)، مالکیہ، شافعیہ (مذہب) اور حنابلہ کے نزدیک معاملہ فاسد نہیں ہوگا بلکہ ان فقہاء کے نزدیک مؤجل ادائیگیوں میں قیمت واجب ہوگی۔ البتہ اس بات پر ان کے مابین اختلاف ہے کہ کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

۱۔ پہلا قول: امام مالک کے نزدیک فیصلہ کے وقت زر منقطع کی قیمت واجب ہوگی۔

۲۔ دوسرا قول: امام شافعی کے نزدیک جس وقت بائع مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے اس وقت کی قیمت واجب ہوگی۔ اگر بیع مؤجل ہے تو تاریخ ادائیگی کی قیمت لازم ہوگی۔

۳۔ تیسرا قول: حنابلہ اور امام محمد کے نزدیک یوم انقطاع کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ البتہ حنابلہ کے ہاں اگر مثلی ہے اور مثل دستیاب ہے تو مثل واجب ہوگی۔ کیونکہ انقطاع سے پہلے مشتری ثمن کی ادائیگی پر قادر تھا، ادائیگی سے عجز انقطاع کی وجہ سے آگیا لہذا قیمت کی ادائیگی میں وقت عجز کا اعتبار کیا جائے گا۔

۴۔ چوتھا قول: امام ابو یوسف کے نزدیک جس دن عقد ہوا تھا اسی دن کی قیمت واجب ہوگی۔ کیونکہ مشتری کے ذمہ جو ثمن واجب ہوا ہے، وہ عقد کی وجہ سے ہے لہذا قیمت میں بھی اسی وقت کا اعتبار کیا جائے گا۔[11]

زر خلقی میں کساد کا حکم:

---

[10] النووی، أبو زکریا محيي الدين يحيى بن شرف الدين، روضة الطالبين وعمدة المفتين (بيروت- دمشق- عمان، المكتب الإسلامي، طبع سوم ۱۹۹۱)، ۳/۳٦۷۔

[11] ابن عابدين، رد المحتار على الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار (حاشية ابن عابدين)، ۴/۵۳۳۔

الزرقانی، عبد الباقي بن يوسف بن أحمد الزرقاني المصري (ت ۱۰۹۹ھ) ، شرح الزُّرقاني على مختصر خليل ومعه، الفتح الرباني فيما ذهل عنه الزرقاني (بیروت، لبنان: دار الكتب العلمية، طبع اول، ۲۰۰۲ء)، ۵/۱۰۷۔

البهوتي، منصور بن يونس بن إدريس البهوتي كشاف القناع عن متن الإقناع ، مراجعه وتعليق هلالض مصيلحي مصطفى هلال (الرياض : مكتبة النصر الحديثة ،بدون طبع وتاريخ)، ۳/۳۱۵۔

الرملی، شمس الدين محمد بن أبي العباس أحمد بن حمزة شهاب الدضين الرملي (ت ۱۰۰٤ھ) نهاية المحتاج إلي شرح المنهاج، (بیروت : دار الفكر، طبع ۱۹۸۴ء-۱۴۰۴ھ)، ۳/۱۱۲۔

السيوطي، عبد الرحمن بن ضأبي بكر، جلال الدين السيوطي (ت ۹۱۱ھ) الحاوي للفتوي (بیروت، لبنان: دار الفكر للطباعة والنشر، طبع ۲۰۰۴)، ۱/۱۱۴، ۱۱۵۔

تنبیہ:۔(شافعیہ کے نزدیک جس زر میں انقطاع واقع ہوا ہے اس کا مثل موجود نہ ہونے کی صورت میں قیمت واجب ہوگی اگر مثل موجود ہو اور اس کی مارکیٹ میں قیمت بھی ہے تو اس کا مثل واجب ہوگا۔)

سونے چاندی کے زر (**النقود الخلقية**) میں لین دین کرنے کے بعد قبض سے پہلے اس زر میں کساد واقع ہو جائے تو اس پر کیا اثرات ونتائج مرتب ہوں گے؟ اس بارے میں فقہاء کے اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ پہلا قول: امام ابو حنیفہ کے نزدیک انقطاع اور کساد میں حکماً کوئی فرق نہیں ہے۔ لہذا اگر تمام شہروں میں تعامل ترک ہو جائے تو معاملہ فسخ ہوگا، البتہ اگر بعض شہروں میں تعامل باقی ہو تو معاملہ فاسد نہیں ہوگا۔ بیع فاسد ہونے کی صورت میں مشتری مبیع واپس کرے گا، مبیع موجود نہ ہو اور وہ مثلی ہو تو مثل، ورنہ قیمت واپس کرے گا۔

۲۔ دوسرا قول: صاحبین اور حنابلہ کے نزدیک بیع فسخ نہیں ہوگی۔ البتہ بائع کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ بیع فسخ نہ کرنے کی صورت میں مشتری کے ذمہ اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہوگی۔ پھر قیمت کے تعین میں فقہاء کا اختلاف ہے:

(الف) امام ابو یوسف کے نزدیک وقت عقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ جیسے انقطاع کی صورت میں ہے۔

(ب) حنابلہ اور امام محمد کے نزدیک یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ یہی قول مذہب میں راجح ہے۔

فقہائے احناف کے نزدیک حکم کے اعتبار سے انقطاع اور کساد میں کوئی فرق نہیں ہے۔[12]

البتہ قرض کے معاملہ میں کساد کی صورت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک مثل واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک قیمت واپس کرنا ضروری ہے اور قیمت کے تعین میں درج بالا وہی اختلاف ہے۔[13]

۳۔ تیسرا قول: مالکیہ کا مشہور اور شافعیہ کے نزدیک کساد کی صورت میں معاملہ قرض کا ہو یا بیع کا وہی زر وصول کرے گا جو بوقت عقد رائج تھا۔[14]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فقہاء نے نقود خلقی میں انقطاع اور کساد کی صورت میں مؤجل ادائیگیوں میں معاملہ فسخ ہونے یا مثل ادا کرنے یا قیمت لازم قرار دی ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے ازالہ ضرر کی تدبیر کی ہے۔

البتہ جنہوں نے وہی زر (مثل) ادا کرنے کی بات کی ہے، ان کے پیش نظر دو چیزیں ہیں: ایک یہ کہ مثلیات میں اضافہ ربا کے زمرے میں آتا ہے اور دوسری بات یہ کہ چونکہ نقود خلقی کی اپنی ذاتی قدر ہے اور کساد یا انقطاع سے اس کی قیمت میں زیادہ فرق واقع نہیں ہوتا لہذا اسی کو لازم کرنے میں بھی ضرر کا پہلو نہیں ہے۔

زر خلقی میں غلا ور خص کا حکم:

---

[12] ابن عابدين، رد المحتار على الدر المختار، ۵۳۳/۴، ۵۳۴، البهوتي، كشاف القناع عن متن الإقناع، ۳۱۵/۳۔

[13] ابن نجيم، البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ۲۱۹/٦، الكاساني: بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ۲۴۲/۵۔

[14] الدسوقي، محمد بن أحمد بن عرفة المالكي (ت ١٢٣٠ھ)، حاشية الدسوقي على الشرح الكبير (بيروت دار الفكر، بدون طبع وتاريخ)، ۴۵/۳۔

عليش، محمد عليش، منح الجليل شرح مختصر خليل، (بیروت: دار الفكر، طبع اول ۱۹۸۴ء-۱۴۰۴ھ)، ۵۳۱/۴۔

النووي، أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (ت ٦٧٦ ھ)، روضة الطالبين وعمدة المفتين (بيروت، دمشق، عمان: المكتب الإسلامی، طبع سوم ۱۴۲۱ھ-۱۹۹۱ء)، ۳۷/۴۔

نقود خلقی یعنی دینار ودرہم کی قیمت بڑھنے یا گھٹنے کی صورت میں مؤجل ادائیگیوں پر کیا اثرات مرتب ہونگے ؟اس بارے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ جو ذمہ میں ثابت ہے وہی ادا کرنا لازم ہوگا۔ کیونکہ زر خلقی مثلیات ہیں لہذا اس میں مثل ہی واجب ہوگا۔ نیز خلقی اثمان کی قدر بڑھنے یا گھٹنے سے اس کی ثمنیت معدوم نہیں ہوتی البتہ جو تغیر واقع ہوا ہے وہ لوگوں کی رغبات میں تبدیلی کی وجہ سے ہے جو کہ شرعاً غیر معتبر ہے۔[15]

زر اصطلاحی میں تغیر:

فقہاء کے ہاں زر اصطلاحی سے مراد سونے اور چاندی کے علاوہ دیگر زر ہیں جن کو لوگوں نے بطور ثمن قبول کیا ہے اور اس میں سونے چاندی کے غالب مغشوش سکے بھی شامل ہیں۔[16]

زر اصطلاحی پر بھی وہی تغیرات واقع ہوتے ہیں جو زر خلقی پر ہوتے ہیں لیکن دونوں کے مابین تغیرات میں فرق ہیں:

(الف)زر خلقی میں تغیر سے اس کی قیمت کلیۃ ختم نہیں ہوتی جبکہ زر اصطلاحی میں قیمت کلی طور پر ختم ہو جاتی ہے۔

(ب)زر خلقی میں تغیرات زر اصطلاحی کے مقابلہ میں بہت کم واقع ہوتے ہیں جبکہ زر اصطلاحی کی قیمت اور ثمنیت میں تیزی سے تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں۔[17]

زر اصطلاحی میں تغیرات کے احکام:

زر خلقی میں ہونے والے تغیرات زر اصطلاحي فلوس اور غالب مغشوش دینار ودرہم میں بھی واقع ہوتے ہیں۔ ذیل کے سطور میں ان تغیرات کا مختصر فقہی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

انقطاع وکساد کا حکم:

زر اصطلاحی میں انقطاع وکساد کی صورت میں فقہا کے مابین وہی اختلاف ہے جو زر خلقی میں اختلاف تھا۔ لیکن بعض متاخرین احناف نے امام ابو حنیفہ کے اس صورت میں بیع فسخ ہونے کے قول کو بیع لازم نہ ہونے پر محمول کرتے ہوئے کہا ہے کہ بائع کے لئے عقد کو ختم کرنے یا جاری رکھنے کا اختیار ہوگا کیونکہ اس کو کساد کی وجہ سے ضرر لاحق ہوا ہے۔[18]

---

[15]) السرخسي، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (ت ٤٨٣ ھ)، لمبسوط، (بيروت، لبنان ، بدون : مطبعة السعادة)، ۳۰/۱۴،ابن عابدين، حاشية رد المحتار، على الدر المختار: شرح تنوير الأبصار، ۵۳۷/۴۔
ابن رشد ، أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد(الجد ا)لقرطبي (ت ۵۲۰ھ)، البيان والتحصيل والشرح والتوجيه والتعليل لمسائل المستخرجة (بيروت ، لبنان : دار الغرب الإسلامي، طبع دوم۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸ء)، ۴۷۷/۶۔

[16]) التمرتاشي ، شمس الدين محمد بن عبد الله بن أحمد، الخطيب العمري التمرتاشي الغزي الحنفي (ت ١٠٠٤ ھ)' بذل المجهود في تحرير أسئلة تغير النقود (فلسطين :جامعة القدس، طبع اول ۱۴۲۲ھ--۲۰۰۱ء)، ۵۵، الموسوعة الفقهية الكويتية (الكويت : وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية ، طبع دوم۱۴۲۷ھ)، ۱۷۶/۴۱۔

[17]الموسوعة الفقهية الكويتية، ۱۹۶/۴۱، ۱۹۵۔

[18]السرخسی، المبسوط، ۲۸/۱۴، بن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۱۴۳/۶۔

البتہ قرض میں امام ابو حنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک عددی طور پر مثل ادا کرنا لازم ہے۔[19] لیکن امام محمد کے نزدیک قرض کی صورت میں قیمت ادا کرنا لازم ہے۔[20]

زر اصطلاحی میں انقطاع وکساد کی صورت میں فقہا کے اختلاف کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ پہلا قول: امام ابویوسف(بیع میں)، محمد اور حنابلہ کے نزدیک قیمت ادا کرنا لازم ہے[21]۔ کیونکہ زر اصطلاحی کی ثمنیت زائل ہونے کے بعد اس کی قدر کلیۃ ختم ہو جاتی ہے، لہذا اس کی ادائیگی لازم قرار دینا مستحق پر ظلم ہے۔ اس لئے قیمت ادا کرنا واجب ہوگا۔[22]

۲۔ دوسرا قول: مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک جو ذمہ میں تھا وہی ادا کرنا ہوگا۔ کیونکہ فلوس مثلی ہے اور کساد کی وجہ سے اس میں مثلیت کا وصف ختم نہیں ہوتا لہذا تمام مثلیات کی طرح مثل ادا کرنا ہوگا۔[23]

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ فلوس کا مقصد عین نہیں ہے بلکہ اس کی مالیت ہے کساد کی وجہ سے اس کی مالیت ختم ہوگئی لہذا قیمت ادا کرنا لازم ہو جائے گا ورنہ مستحق پر ظلم واقع ہوگا۔[24]

۳۔ تیسرا قول: امام ابو حنیفہ کے نزدیک معاملہ فسخ ہو جائے گا، بیع میں مبیع واپس کرے گا اور اجارہ میں اجرت مثل ادا کرنا ہوگا۔ البتہ مہر یا قرض اور اقالہ کی صورت میں مثل ادا کرنا لازمی ہوگا۔ کیونکہ قرض کی صورت میں قیمت ادا کرنے سے ربا النسیئہ ہوگا۔ (قرض کی صورت میں امام ابویوسف کی بھی یہی رائے ہے)۔[25]

---

[19] جیسا کہ نقود خلقی کے بحث میں گزر چکا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے اس موقف کی وجہ یہ ہے کہ مثلی چیزوں کا قرض دینا اعارہ ہے اسی طرح مثلی کو عاریت پر دینا قرض ہے۔ اور مثلی چیزوں کی قرض کی صورت میں معنوی طور پر عین کو واپس کرنا واجب ہے۔ مثلی چیزوں کے اعارہ (قرض) میں ثمنیت ایک اضافی امر ہے۔ اور اعارہ میں عین واپس کرنا ضروری ہے لیکن مثلی چیزوں کے قرض میں اصل خرچ کئے بغیر فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا لہذا ادائیگی کے وقت معنوی طور پر عین واپس کیا جائے گا جو کہ عددی مثل ہے۔ (ابن نجیم ، البحر الرائق شرح كنز الدقائق،۶/۲۲۰۔

[20] علامہ کاسانی لکھتے ہیں، ولو استقرض فلوسا نافقة، وقبضها فكسدت فعليه رد مثل ما قبض من الفلوس عددا في قول أبي حنيفة وأبي يوسف، وفي قول محمد عليه قيمتها، (الکاسانی، بدائع الصنائع،۵/۲۴۲)۔

[21] کساد کی صورت میں صاحبین کے نزدیک بائع کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اگر وہ بیع فسخ نہ کرے تو مشتری کو قیمت ادا کرنا لازم ہوگا۔ (الکاسانی، بدائع الصنائع،۵/۲۴۲۔)

[22] ابن عابدین، رد المحتار،۵/۲۶۹، الکاسانی، بدائع الصنائع،۵/۲۴۲۔

[23] الخطاب، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمن الطرابلسي المغربي، المعروف بالحطاب الرُّعيني المالكي (ت ۹۵۴ھ)، مواهب الجليل في شرح مختصر خليل (بيروت:دار الفكر، طبع سوم ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲ء)، ابن قاضي شهبة ، بدر الدين أبو الفضل محمد بن أبي بكر الأسدي الشافعي ابن قاضي شهبة ،(۷۹۸ - ۸۷۴ ھ) بداية المحتاج في شرح المنهاج(جدة ،سعودي عرب : دار المنهاج للنشر والتوزيع، طبع اول،۱۴۳۲ھ-۲۰۱۱ء)،۲/۱۲۸۔

[24] السرخسي، المبسوط،۱۴/۲۹۔

[25] الکاسانی، بدائع الصنائع،۵/۲۴۲۔

اس استدلال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ جب زر اصطلاحی میں انقطاع وکساد واقع ہو جائے تو اس کی قیمت سونا چاندی کی شکل میں ادا کیا جائے گا۔اس صورت میں جنس تبدیل ہو جانے سے ربا کا پہلو ختم ہو گیا۔ پھر ربا اس وقت جاری ہوتا ہے جب زر بطور زر (کرنسی) رائج ہو۔ صورت مذکورہ میں زر اصطلاحی سلعہ (سامان) کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ لہذا اس کی قیمت ادا کرنا ہو گا۔

غلا ور خص کا حکم:

زر اصطلاحی میں غلا ور خص کی صورت میں مؤجل ادائیگیوں پر کیا اثرات مرتب ہونگے اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

۱۔ پہلا قول: امام ابو یوسف (مفتی بہ قول) اور ابن تیمیہ کی رائے میں قیمت ادا کرنا واجب ہو گا۔ مالکیہ میں سے الرہونی بھی اس رائے کے قائل ہیں بشر طیکہ بہت زیادہ تغیر واقع ہو جائے۔[26]

۲۔ دوسرا قول: امام ابو حنیفہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے میں تغیرات کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ جس زر میں عقد ہوا ہے اسی زر میں ادائیگی ضروری ہے۔[27]

دلائل:

قول اول کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ زر اصطلاحی میں رخص واقع ہونا عیب ہے۔اس کی قبولیت قوت خرید کی وجہ سے ہے۔ قدر میں کمی کی وجہ سے قبولیت کا وصف فوت ہو جاتا ہے۔اب اس میں عیب واقع ہونے کے باوجود دائن کو وہی چیز وصول کرنا لازم قرار دینا ظلم پر مبنی ہے اور عدل وانصاف کے منافی ہے۔

۲۔ قیمت میں نقص واقع ہونے سے تماثل باقی نہیں رہتا اس کے باؤجود عددی مثل لازم قرار دینے سے دائن پر ضرر واقع ہو گا۔

---

(26) ابن عابدين، محمد أمين افندى الشهير بابن عابدين،ت ١٢٥٢ ھ)، تنبيه الرقود على مسائل النقود ،(اسطنبول: سعادت، ١٣٢٥-١٩٠٧م)،٦٢۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ ،على قول أبي يوسف المفتى به لا فرق بين الكساد والانقطاع والرخص والغلاء في أنه تجب قيمتها يوم وقع البيع أو القرض لا مثلها،ابن عابدين، رد المحتار،۴/۵۳۴)۔

قاسم، عبد الرحمن بن محمد بن قاسم، الدرر السنية في الأجوبة النجدية،(قاهره : المطبعةالسلفية، طبع ششم ١٩٩٦ء)، ٦/٢٠٨، (قاهره: البهوتی، منصور البهوتي،منح الشفا الشافيات في شرح المفردات،۱۳۴۲ھ)۱۷۰۔

الرہونی، محمد بن أحمد بن محمد بن يوسف الرہونی المالكي المغربی،(ت ۱۲۳۰ھ)، حاشية الامام الرہونی علي شرح الزرقانی لمختصر خليل، (مصر:مطبعه الأميرية بولاق،۱۳۰۶ھ)،۵/۱۱۸-۱۲۱۔

(27) محمد عليش ، منح الجليل شرح مختصر خليل،(بيروت : دار الفكر، طبع اول ۱۹۸۴ء)،۴/۵۳۱،السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (ت ٩١١ھ)، الحاوي للفتوي(بيروت،لبنان:دار الفكر للطباعة والنشر،طبع١٤٢٤ھ،۲۰۰۴ء)،116/1

ابن قدامه، موفق الدين أبو محمد عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسي الجماعيلي الدمشقي الصالحي الحنبلي، (٥٤١ - ٦٢٠ ھ) المحقق: الدكتور عبد الله بن عبد المحسن التركي، الدكتور عبد الفتاح محمد الحلو، المغني ، (الرياض،سعودي عرب : دار عالم الكتب للطباعة والنشر والتوزيع، طبع سوم،۱۹۹۷ء-۱۴۱۷ھ)،۶/۴۴۲۔

۳۔ قیاس: زر اصطلاحی میں کساد واقع ہو جائے تو قیمت لازم ہوتی ہے لہذا رخص کی صورت میں بھی یہی حکم ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں زر کی قیمت میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔[28]

دوسرے قول کے دلائل درج ذیل ہیں:

ا۔ غلا اور خص سے زر اصطلاحی کی ثمنیت ختم نہیں ہو جاتی لہذا وہی زر واجب ہو گا۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قدر میں کمی سے ثمنیت ختم نہیں ہوتی لیکن اس میں نقص پیدا کر دیتے ہیں اور لوگوں کے اعتماد میں کمی واقع ہو جاتا ہے اور قبولیت کم ہو جاتی ہے جو کہ عیب ہے جس کی بنیاد پر قیمت واجب ہو جائے گی۔

۲۔ زر اصطلاحی کی قدر میں کمی بیشی سے اس کی مثلیت کا وصف ختم نہیں ہوتا لہذا مثل لازم ہے۔

اس پر یہ اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ زر اصطلاحی سے اصل مقصد اس کا عین نہیں ہے بلکہ اس کی مالیت اور ثمنیت ہے۔ قدر میں کمی کی صورت میں اس کی معنوی مثلیت کمزور ہو جاتی ہے صرف صوری مثلیت باقی رہتی ہے۔ لہذا مثل ادا کرنے سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے مکمل ادا کی ہے کیونکہ معنوی مثلیت مفقود ہے۔

۳۔ زر اصطلاحی میں تغیر کی صورت میں قیمت ادا کرنا واجب قرار دینے سے ربا کا دروازہ کھلتا ہے۔ کیونکہ اس میں قرض کے عوض کی ادائیگی میں اضافہ دیا جائے گا۔

اس پر یہ اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ حرمت ربا کی علت ظلم اور اکل المال بالباطل ہے۔ ربا میں دائن جو اضافہ وصول کرتا ہے وہ بلا عوض ہے جبکہ زر اصطلاحی میں کمی کی صورت میں قیمت وصول کرنا اس قبیل سے نہیں ہے کیونکہ یہاں دائن اپنے اصل زر میں واقع ہونے والے نقص کی قیمت وصول کرتا ہے۔ لہذا اس میں ظلم نہیں ہے۔ ظلم اس وقت ہو گا جب بلا مقابل اضافہ وصول کرے۔

ا۔ زر اصطلاحی میں تغیر سے ذمہ میں جو ثابت ہے اس میں تغیر لازم نہیں آتا جیسے کسی کے ذمہ گندم واجب پھر گندم کی قدر میں کمی بیشی ہو جائے تو وہی مقدار واجب ہو گی۔

اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ زر اصطلاحی مال کے لئے ایک معیار ہے اور وہ بذات خود مقصود نہیں ہے جبکہ گندم قوت ہے اور مقصود لذتہ ہے اس لئے قدر میں تغیر اس میں مؤثر نہیں ہو گا۔ جبکہ زر اصطلاحی میں رخص ایک موثر عیب ہے۔[29]

---

[28]) النشيمي، ڈاکٹر عجيل جاسم النشيمى، تغير قيمة العملة في الفقه الاسلامي، (مجلة مجمع الفقه الاسلامي، الدورة الخامسه لمؤتمر مجمع الفقه الاسلامي،العدد الخامس،الجزء الثالث، ۱۴۰۹ھ- ۱۹۸۸ء)، ۱۲۶۲/۵ -۱۲۶۴۔المنيع، عبدالله بن سليمان المنيع، بحوث وفتاوى فى الاقتصاد الاسلامى،(ریاض : دارالعالم الكتب للطباعة والنشر والتوزيع،طبع ۱۴۳۷ھ)،۱۸۲/۱،۱۸۳،الجاسر، سلطان بن محمد الجاسر(رياض : رسالة ماجستير جامعه الامام محمد بن سعود الاسلاميه ،۱۴۲۹ھ)،الاوراق النقدية دراسه فقهيه،۱۲۵-۱۲۸۔

[29]الکاسانی،بدائع الصنائع،۲۴۲/۵،السرخسي،المبسوط،۲۹/۱۴-۳۲،حاشیۃ الرہونی،۱۲۱/۵،النشيمي، تغير قيمة العملة في الفقه الاسلامي (مجلة مجمع الفقه الاسلامي’ الدورة الخامسه لمؤتمر مجمع الفقه الاسلامي، العدد الخامس، الجزء الثالث،۱۴۰۹ھ-۱۹۸۸ء) ۱۶۶۲/۵ ،۱۶۶۴۔

درج بالادلائل کی روشنی میں یہ بات ظاہر اور اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے کہ زر اصطلاحی میں بہت زیادہ تغیر واقع ہو جائے تو قیمت لازم ہو گی۔ کیونکہ رخص کی صورت میں اس میں عیب واقع ہوئی ہے اور معنوي مثلیت کا وصف کمزور ہو گیا ہے۔ نیز فقہاء نے ضرر کے ازالہ کے لئے خیار عیب اور خیار غبن جیسے خیارات ثابت کئے ہیں۔ خیار عیب مبیع میں عیب کی بنیاد پر اور خیار غبن ثمن میں نقص کی بنیاد پر ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

پیپر کرنسی میں تغیرات:

موجودہ دور کی پیپر کرنسی میں بھی سابقہ نقود کی طرح تغیرات رونما ہوتے ہیں جن میں الغلاء والرخص کے بارے میں درج ذیل سطور میں گفتگو ہو گی جس کو افراط زر اور تفریط زر کہا جاتا ہے۔

- **افراطِ زر(Inflation):** افراط زر کے مفہوم و معنی کے بارے میں معیشت دانوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس کو دور جدید کے معیشت دانوں نے متعارف کرایا ہے۔ ان کے خیال میں اس سے مراد (هو ارتفاع مطرد في المستوى العام للاسعار)[30] یعنی عمومی سطح پر قیمتوں کا مسلسل اضافہ افراط زر ہے۔

اس تعریف کي روشني میں افراط زر اس صورتحال کو کہا جاتا ہے جس میں عمومی طور پر ہر قسم کے اشیاء اور خدمات کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہو جائے۔ اگر وقتی طور پر یا بعض اشیاء وخدمات کی قیمتوں میں اضافہ ہو جائے تو اسے افراط زر نہیں کہا جاتا۔

بعض نے اس کی تعریف میں کہا ہے کہ: (هو الزيادة الملموسة في كمية النقود)[31] یعني زر کي مقدار میں واضح اضافہ ہونا افراط زر کہلاتا ہے۔

اس تعریف میں زر کی بہتات اور افراط زر کے تعلق کو بیان کیا گیا ہے۔ یعنی زر کی مقدار میں حد سے زیادہ اضافہ سے اشیاء وخدمات کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ موجودہ دور کے معیشت دان محض زر کے رسد میں اضافہ کو افراط زر کا سبب قرار نہیں دیتے لیکن اسے کئی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ تصور کرتے ہیں۔

افراط زر کی خصوصیات:

افراط زر کی تین خصوصیات ہیں جن پر معیشت دان متفق ہیں:

۱۔ قیمتوں میں اضافہ: افراط زر کے نتیجے میں اشیاء وخدمات کی قیمتوں میں لازمی طور پر اضافہ ہوتا ہے۔

۲۔ زر کے رسد میں اضافہ: جب قومی وسائل حکومت کی مالیاتی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہو جاتے ہیں تو حکومت بنکوں، دیگر مالیاتی اداروں اور سرکاری کفالتوں یا بانڈز کی ضمانت پر قرضے حاصل کر کے مالیاتی معاملات کو چلاتی ہے۔ حکومت کے اس اقدام سے زر اعتباری (Credit Money) میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

المنیع، بحوث وفتاوی فی الاقتصاد الاسلامی،۱/۱۸۲،۱۸۳۔الجاسر،الاوراق النقدية دراسه فقهيه،۲۲۵-۲۲۸۔

[30] ہیکل،ڈاکٹر عبدالعزیز، موسوعة المصطلحات الاقتصادية و الإحصائية، (لبنان: دار النهضه العربية، طبع دوم ۱۴۰۶ھ)،۶۷۳۔

[31] الروبی، د۔ نبيل ، نظرية التضخم ،(مؤسسة الثقافة الجامعية، الاسكندرية، طبع دوم)،۱۲۔

۳۔ اپنی تقویت کا خود باعث بنتا ہے: افراط زر کا چکر جب ایک دفعہ شروع ہو جاتا ہے، تو پھر خود بخود مضبوط سے مضبوط تر اور شدید سے شدید تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

افراط زر کی قسمیں:

ماہرین معاشیات افراط زر کی مختلف نوعیت کے اعتبار سے مختلف قسمیں بیان کرتے ہیں۔

شدت کے اعتبار افراط زر کی چند مشہور قسمیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ رینگتا ہوا افراط زر(creeping inflation): یہ عمومی طور پر بہت معمولی نوعیت کا تسلسل کے ساتھ قیمتوں میں اضافہ ہے۔ جس میں 3% سالانہ کے حساب سے قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اثر کے لحاظ سے افراط زر کی یہ سب سے سست رفتار قسم ہے۔اس لئے معیشت کے لئے زیادہ خطرہ ناک تصور نہیں کیا جاتا۔

۲۔ اچھلتا ہوا افراط زر(Trotting Inflation): عموماً ۳% سے ۶% سالانہ قیمتوں میں اضافہ کو کہا جاتا ہے۔

۳۔ تیز رفتار افراط زر(Running Inflation): قیمتوں میں سالانہ ۱۰% اضافے کو کہتے ہیں۔

۴۔ شدید افراط زر(Hyper Inflation): اس میں ہر ماہ قیمتوں میں ۲۰% تا ۳۰% کے حساب سے اضافہ ہوتے ہیں۔ اور کبھی ماہانہ قیمتوں میں اضافہ ۵۰%، کبھی ۱۰۰%، کبھی اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے جیسے کہ ۱۹۹۵ میں برازیل میں ۲۱۴۸% تک پہنچ گیا تھا۔اس طرح کی صورتحال میں معشیت بری طرح تباہ ہو جاتی ہے، کرنسی کی حیثیت ختم جاتی ہے۔

۵۔ رکودی افراط زر (Stagflation): جب معیشت گرم بازاری کے بعد مراجعت (Recession) اور افراط زر کے اثرات سے بیک وقت دوچار ہوتی ہے، تو اسے رکودی افراط زر کہتے ہیں، اس میں ایک طرف پیداوار میں جمود کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور دوسری طرف قیمتوں میں اضافہ شروع ہو جاتا ہے۔اپنے اثرات کے لحاظ سے یہ سب سے خطرناک قسم ہے۔

پہلے دو قسم کے افراط زر کو بعض ماہرین معاشیات کوئی خطرہ نہیں سمجھتے بلکہ معیشت کے لئے بہتر سمجھتے ہیں۔ان کے خیال میں یہ معاشی ترقی کا محرک ہے۔

توقع کے اعتبار سے افراط زر کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ **متوقع افراط زر:** عمومی طور پر اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ماہرین کے بتائے ہوئے نسبت کے مطابق یا اس سے کم ہو تو یہ متوقع افراط زر ہے۔ماہرین معاشیات موجودہ معاشی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مستقبل میں متوقع افراط زر کے بارے میں آگاہ کر دیتے ہیں جس سے افراط زر کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

۲۔ **غیر متوقع افراط زر:** عمومی طور پر توقع کے برخلاف اچانک اشیا وخدمات کی قیمتوں میں اضافہ ہو جائے تو یہ غیر متوقع افراط زر کہلاتا ہے۔

اکثر افراط زر کی نوعیت اس قسم کی ہوتی ہے کیونکہ افراط زر واقع ہونے کے متعلق چانچنا مختلف عوامل کی وجہ سے مشکل کام ہوتا ہے۔ متوقع افراط زر کا اندازہ سابقہ یا مستقبل کے معاشی حالات کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔ ان دونوں میں اشکال موجود ہے کیونکہ ماضی کے حالات وعوامل ہمیشہ وہی نہیں رہتے جس سے معاملہ مختلف ہو جاتا ہے جبکہ مستقبل کے عوامل محض اندازہ ہے جو کہ تبدیل ہو سکتا ہے اور کبھی ایسے حالات کا سامنا ہو جاتا ہے جو کسی کے وہم وگمان میں نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے ماہرین معاشیات مختصر میعادی(short Term) توقعات کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ غلطی کا امکان کم سے کم رہے۔

قدر زر میں تغیرات پیدا کرنے والے عوامل:

زر کی قدر میں تبدیلی کے کئی اسباب ہیں۔ جن میں سے چند ایک مختصراً بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ **زر کی مقدار:** اگر زر کی مقدار بڑھ جائے تو اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور کرنسی کی قدر کم ہو جاتی ہے۔

۲۔ **پیداوار کی مقدار:** اگر ملک میں زرعی یا صنعتی پیداوار کی مقدار بڑھ جائے تو اُن اشیاء کی قیمتیں گر جاتی اور کرنسی کی قدر بڑھ جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر اشیاء کی مقدار کم ہو جائے تو اُن اشیا کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں اور کرنسی کی قیمت گر جاتی ہے۔

۳۔ **زر کی گردش کی رفتار:** اگر زر کی گردش کی رفتار تیز ہو جائے تو زر کی اکائی پہلے سے زیادہ مرتبہ اشیاء خریدنے کے لئے استعمال ہو گی جس سے قیمتیں چڑھ جاتی ہیں اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس جب سرد بازاری کے دوران زر کی گردش کی رفتار سست پڑ جاتی ہے تو قیمتیں گر جاتی ہیں اور اور زر کی قدر بڑھ جاتی ہے کیونکہ لوگ کرنسی خرچ کرنے کے بجائے اپنے پاس رکھنا پسند کرتے ہیں۔

۴۔ **آبادی کی تعداد:** اگر آبادی بڑھ جائے لیکن اشیاء کی پیداوار جوں کی توں رہی تو طلب بڑھ جاتی ہے جس کے نتیجے میں قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے۔

۵۔ **طلب میں کمی بیشی:** بعض اوقات غیر متوقع ہنگامی صورتحال مثلاً جنگ وغیرہ کے باعث اشیاء کی مانگ بڑھ جاتی ہے اور قیمتوں کی سطح بلند ہو جاتی ہے اور زر کی قدر گھٹ جاتی ہے۔

۶۔ **سرکاری بجٹ:** اگر کسی سال حکومت کی متوقع آمدنی اس کے اخراجات سے کم ہو جائے تو مرکزی بنک سے قرض لے کر خسارہ پورا کرتی ہے جس کے باعث افراط زر رونما ہو جاتا ہے اور اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔

۷۔ **بیرونی تجارت:** اگر کسی ملک کی بیرونی ادائیگیوں کا توازن خراب ہو جائے یعنی برامدات کم اور درآمدات زیادہ ہوں تو ملک کے اندر بھی زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ کیونکہ بیرونی مصنوعات کی ادائیگی غیر ملکی کرنسی میں کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس مقصد کے لئے مطلوبہ کرنسی خریدنا پڑتا ہے جس کے نتیجے میں ملکی کرنسی کی طلب کم ہو جاتی ہے جبکہ غیر ملکی کرنسی کی طلب بڑھ

جاتی ہے۔ طلب ورسد کی اس تبدیلی کی وجہ سے ملکی کرنسی کی شرح تبادلہ (exchange rate) کم ہو جاتی ہے۔ یعنی ملکی کرنسی کی قیمت گرجاتی ہے۔

۸۔ **محصولات:** اگر حکومت درآمد ہونے والی اشیاء پر بھاری محصول لگادے تو ان اشیاء کی قیمت بڑھ جاتی اور زر کی قدر گھٹ جاتی ہے۔[32]

• تفریطِ زر(Deflation):

افراط زر کے برعکس صوتحال کا نام تفریط زر ہے۔ تفریط زر کی صورت میں قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں اور کرنسی کی قدر بڑھ رہی ہوتی ہے۔ تفریط زر اس وقت ہوتی ہے جب زر کی رسد میں کمی کی وجہ سے اشیاء وخدمات کی پیداوار کے مقابلہ میں قیمتوں میں زیادہ کمی ہو رہی ہوتی ہیں۔ اس حالت میں معاشی سرگرمیاں کم ہو جاتی ہیں جس سے بے روزگاری بڑھ جاتی ہے اور پیداواری سرگرمیاں بھی کمزور پڑھ جاتی ہیں۔[33]

ذیل کے سطور میں فقہاء کی آراء کی روشنی میں ان کے احکام اور مؤجل اُدائیگیوں پر ان کے اثرات ذکر کئے جائیں گے۔

قدر زر کے تغیرات کے اثر و نتائج:

قدر زر کے تغیر سے تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والوں پر ایک جیسا اثر مرتب نہیں ہوتا بلکہ کسی طبقہ پر اچھا اور کسی طبقہ پر برا اثر مرتب ہوتا ہے۔ ذیل سطور میں ان اثر و نتائج کا مختصر اجائزہ پیش کیا جائے گا۔

قرضوں پر اثر:

افراط زر سے متاثر ہونے والا طبقہ قرض دہندہ گان (Creditors) ہیں۔ جب قیمتیں چڑھ جاتی ہیں تو جنہوں نے قرض دے رکھا ہے ان کو نقصان ہوتا ہے کیونکہ انہیں اپنا قرض واپس ملتا ہے تو اس کی قدر پہلے سے گرچکی ہوتی ہے۔

اس کے برعکس تفریط زر میں قرض دہندہ کا فائدہ ہوگا کیونکہ اس کی طرف سے قرض دی ہوئی رقم کی قوت خرید میں اضافہ ہوا ہوتا ہے۔

اجرتوں پر اثر:

افراط زر سے مختلف فیکٹریوں کے مزدوروں کا طبقہ متاثر ہو جاتا ہے۔ افراط زر کے نتیجے میں اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں لیکن ان کو اجرت وہی ملتی ہے جو پہلے سے چلی آرہی ہے۔ اس سے اس طبقہ کا نقصان ہوتا ہے۔

---

(32) المصلح، خالد بن عبداللہ، التصحم النقدی فی الفقہ الاسلامی، (www.almosleh.com)، ص: 82 وما بعدہا، ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ، مسئلہ زر کا تحقیقی مطالعہ شرعی نقطہ نظر سے، (ادارۃ المعارف کراچی ۱۲، طبع ستمبر ۲۰۰۹) ص: ۲۹۶ وما بعدہا۔ الوزنی، ڈاکٹر خالد، والرفاعی، ڈاکٹر احمد، مبادئ الاقتصاد الکلی بین النظریة والتطبیق، (دار وائل للنشر طبع سوم ۱۹۹۹ء)، ۲۵۶، خلیل، ڈاکٹر سامی خلیل، النظریات والسیاسات النقدیة، (شرکة کاظمة - الکویت، طبع اول ۱۹۸۲ء) ۶۲۱۔

(33) ہیکل، ڈاکٹر عبدالعزیز، موسوعة المصطلحات الاقتصادیة و الإحصائیة، ۸۵۰۔

دیگر امور پر اثر:

قدر زر میں تغیرات سے صنعتوں اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد بھی متاثر ہوتے ہیں۔

۱۔ کسان اور تاجر پر افراط زر کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں کیونکہ ان کی پیداوار اکی قیمت بڑھ جاتی اور ان کی آمدنی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ زرعی و صنعتی اشیاء کی پیداوار افراط زر کے نتیجہ میں بڑھ جاتی ہے اور نئی سے نئی اشیاء ماکیٹ میں دستیاب ہو جاتی ہے۔

۳۔ سرمایہ کاری اور روزگار پر بھی افراط زر کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں کیونکہ جب اشیاء کی قیمتیں بڑھیں گی تو نئے کارخانے کھلیں گے لوگ کاروبار اور تجارت میں دلچسپی لیں گے۔اس طرح سرمایہ کاری میں اضافہ ہوگا اور روزگار کے مواقع میسر آئیں گے۔

۴۔ تقسیم دولت پر افراط زر کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔اس کی وجہ سے تقسیم دولت میں بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے۔

خلاصہ: افراط زر سے:

۱۔ قرض خواہ، مزدور اور تقسیم دولت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۲۔ کسان، تاجر، صنعت کار، پیداوار، سرمایہ کاری، اور روزگار پڑ مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

قیمتوں کا اشاریہ (Price Index)

اس کو انڈکس نمبر (Index Numbers) بھی کہتے ہیں۔ عام اشیاء کی قدر زر کی مدد سے ماپی جاتی ہے لیکن خود زر کی قدر اشیاء کی قیمتوں کے معیار سے پرکھی جاتی ہے۔ مثلاً دس سال قبل ایک ہزار روپے کی قدر ایک من گندم کے برابر تھی لیکن آج صرف دس کلو گندم کے برابر ہے۔اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کرنسی کی قدر اُس وقت زیادہ تھی کیونکہ اس کے بدلے زیادہ چیزیں آئیں اور اب کم ہو گئی ہے کیونکہ چیزیں کم ہو گئیں۔

اشاریہ (Index) کا طریقہ اور مراحل:

زر کی پیائش کا طریقہ کس طرح ہوگا؟

آج کل ہم سنتے ہیں کہ مہنگائی (افراط زر) ۳۵% سے ۴۵% ہو گئی ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ سال ۲۰۲۱ء میں چینی ۱۰۰ روپے کلو تھی اور ۲۰۲۳ء میں ۱۴۵ روپے ہو گئی ہے تو مہنگائی ً ۴۵% بڑھ گئی ہے؟ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ زر کی پیائش کے لئے ایک طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ چند کثیر الاستعمال اشیاء منتخب کئے جاتے ہیں اور تاریخوں کے حساب سے ان کی قیمتوں کا موازنہ (Comparison) کیا جاتا ہے۔اس کو اشاریہ (Index) کہا جاتا ہے۔

قرضوں کا قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ تعلق کے حوالے سے معاشی ماہرین جو طریقہ اختیار کرتے ہیں اس کا مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے:

کوئی بھی کرنسی بذات خود مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کے ذریعے دیگر اشیاء وخدمات خریدی جاتی ہے۔اس لحاظ سے کرنسی کی دو قیمتیں ہوتی ہیں:

1. **ظاہری قیمت(Face Value)**:یعنی وہ قیمت جو کرنسی پر لکھی ہوتی ہے۔
2. **حقیقی قیمت(Real Value)**:اشیاء وخدمات کا وہ مجموعہ ہے جو اس کرنسی کے ذریعے خریدنا ممکن ہے۔معیشت دان اس مجموعہ کو اشیاء کی ٹوکری(Basket of Goods)کہتے ہیں۔مثال کے طور پر

- زید کی تنخواہ ۲۰ہزار روپے ہے۔تو یہ اس کی ماہانہ آمدنی کی ظاہری قیمت ہے۔
- زید یہ ۲۰ہزار روپے ذیل اشیاء وخدمات میں صرف کرتا ہے:

گندم ۴۰ کلو، کپڑا ۲۰ میٹر، گوشت ۱۰ کلو، دال ۱۵ کلو، چائے ایک کلو، مکان کا کرایہ، بچوں کے سکول اور طبّی معاینہ فیس۔یہ اشیاء وخدمات کی ٹوکری(Basket of Goods & Services) ہے۔اور یہ ٹوکری ۲۰ہزار روپے کی حقیقی قیمت ہے۔

ٹوکری میں موجود اشیاء ایک طرح کی اہمیت کا حامل نہیں ہوتے بلکہ بعض چیزوں کی اہمیت دوسروں سے زیادہ ہوتی ہے۔مثلاً گندم کپڑے کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے اور کپڑا چائے کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔لہذا چائے کی قیمت میں اضافہ سے اتنی مشکلات نہیں ہوتی جتنی گندم کی قیمت میں اضافہ سے ہوتی ہے۔لہذا کرنسی کی حقیقی قیمت میں تبدیلی کو اشیاء کی قیمتوں میں اوسط تبدیلی کے ذریعے معلوم کرنے کے لئے ماہرین معاشیات ہر چیز کی ایک خاص اہمیت فرض کرتے ہیں۔پھر اہمیت کی بنیاد پر ان اشیاء کے لئے الگ الگ نمبر مقرر کرتے ہیں جسے چیزوں کا وزن(Weight of Commodity)کہتے ہیں۔اور اس طرح کے اشاریہ کو وزن دار اشاریہ(Weighted Index Number)کہا جاتا ہے۔

اگر اشاریہ میں ٹوکری میں موجود تمام اشیاء کو ایک ہی وزن دیا جائے تو اس کو سادہ اشاریہ(Simple Index Number) کہا جاتا ہے۔

اشاریہ بنانے کے مراحل:

اشاریہ بنانے کے مختلف مراحل درج ذیل ہیں:

۱۔ اہم اشیاء کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

۲۔ ہر شے کو اس کی اہمیت کے مطابق ایک خاص وزن دیا جاتا ہے۔

۳۔ بنیادی سال کا انتخاب کیا جاتا ہے۔یہ سال نارمل ہونا ضروری ہے۔جس میں معاشی لحاظ سے کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہ ہوا ہو۔اور قیمتوں میں بہت زیادہ تغیر واقع نہ ہوا ہو۔یہ نہ قحط کا سال ہو، نہ بہتات کا، نہ جنگ کا زمانہ اور نہ طویل امن کا۔

۴۔ بنیادی سال کے مقابلہ میں اس سال کا انتخاب کیا جاتا ہے جس کی قیمتوں کے ساتھ بنیادی سال کی قیمتوں کا تقابل کیا جاتا ہے۔

۵۔ دونوں سالوں کے درمیان قیمت کی تبدیلی کا اوسط نکالا جاتا ہے۔

۶۔ اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن کے سے ضرب دی جاتی ہے۔

۷۔ حاصل ضرب کو جمع کیا جاتا ہے، حاصل جمع دونوں سالوں کی قیمتوں کا فرق ہوتا ہے۔

اس کی وضاحت کے لئے درج ذیل نقشہ ملاحظہ کیجئے!

(۱) اشیاء	(۲) وزن	(۳) ۲۰۰۳ء	(۴) ۲۰۰۳ء	(۵) تبدیلی اوسط	(۶) نتیجہ ضرب
گندم	۵۰%	۳۰ کلو=۲۰۰۰ روپے	۳۰ کلو=۴۰۰۰ روپے	۲۰۰۰/۴۰۰۰ روپے	۱.۰
کپڑا	۲۰%	۲۰۰ روپے فی میٹر	۶۰۰ روپے فی میٹر	۲۰۰/۶۰۰ روپے	۰.۶
مکان	۳۰%	۵۰۰۰ روپے ماہانہ کرایہ	۱۵۰۰۰ روپے ماہانہ کرایہ	۵۰۰۰/۱۵۰۰۰ روپے	۰.۹
ٹوٹل:					۲.۵

وضاحت:

۱۔ **کالم نمبر ۱:** انسان کی بنیادی ضروریات میں میں سب سے اہم اشیاء گندم/کھانا، کپڑا اور مکان ہیں۔ لہذا ان تینوں کا انتخاب کیا گیا۔

۲۔ **کالم نمبر ۲:** یعنی ایک شخص اپنی آمدنی کا ۵۰ فیصد کھانے پر، ۲۰ فیصد کپڑے پر اور ۳۰ فیصد رہائش پر خرچ کرتا ہے۔

۳۔ **کالم نمبر ۳، ۴:** دونوں سال کی قیمتوں کا تقابل کیا گیا۔ مثلاً ۲۰۱۳ء میں تیس کلو گندم کی قیمت ۲۰۰۰ روپے تھی جو سال ۲۰۲۳ء میں بڑھ کر ۴۰۰۰ روپے ہو گئی۔

۴۔ **کالم ۵:** میں دونوں سالوں کی قیمتوں کی تبدیلی کا اوسط نکالا گیا۔ جس کے لئے ۲۰۱۳ء کی قیمتوں کو ۲۰۲۳ء کی قیمتوں پر تقسیم کیا، یعنی ۲۰۰۰/۴۰۰۰=۲ یہ اوسط تبدیلی ہے۔

۵۔ **کالم ۶:** میں اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن کے ساتھ ضرب دیا یعنی (۲x۵۰%=۱.۰)

۶۔ **ٹوٹل/مجموعہ:** سے مراد یہ ہے کہ اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب نکلا ہے، ان کو جمع کیا تو نتیجہ =ٹوٹل/مجموعہ ہے۔ یعنی: (۱.۰+۰.۶+۰.۹ = ۲.۵)

(۲.۵) کا مطلب ہے کہ اشیاء کی ٹوکری جو سال ۲۰۱۳ء میں ایک شخص ۱۰۰ روپے میں خرید سکتا تھا وہ سال ۲۰۲۳ء میں ۲۵۰ روپے میں خرید سکے گا۔ کیونکہ کرنسی کی حقیقی قیمت میں ان دس سالوں میں 25% کے تناسب سے کمی واقع ہو گئی ہے۔ فرض کریں کہ ایک شخص نے دس سال قبل ۱۰۰ روپے میں ایک مخصوص اشیاء کی ٹوکری (مثلاً آٹا ایک کلو، دال ایک پاؤ اور پھل ایک کلو) خرید لیا تھا لیکن آج وہی چیزیں خریدنے کے لئے اس کو ۲۵۰ روپے کی ضرورت ہو گی۔ اس کا مطلب ہے کہ روپیہ کی قدر میں کمی واقع ہوئی ہے۔ اس وقت ۱۰۰ روپے میں وہ زیادہ سے زیادہ ایک پاؤ دال خرید پائیں گے جبکہ آٹا اور پھل خریدنے کے لئے اس کو مزید ۱۵۰ روپے درکار ہو گی۔

درج بالا حساب وکتاب کی روشنی میں اگر ہم فرض کریں کہ ایک شخص کی ماہانہ آمدنی سال ۲۰۱۳ء میں مبلغ ۲۰۰۰۰ روپے تھی جو کہ بڑھ کر سال ۲۰۲۳ء میں مبلغ ۴۰۰۰۰ روپے ہوگئی۔اس کی ماہانہ تنخواہ کی قیمت اور حیثیت کا حساب ذیل طریقہ سے کیاجائے گا۔

سال	ظاہری قیمت (Face value)	زیادتی کا تناسب	حقیقی قیمت (Real value)	کیفیت
۲۰۱۳ء	۲۰۰۰۰روپے	۱.۰	۲۰۰۰۰روپے	۲۰۰۰۰ /۱.۰
۲۰۲۳ء	۴۰۰۰۰روپے	۲.۵	۱۶۰۰۰روپے	۴۰۰۰۰ /۲.۵

سال ۲۰۱۳ء (بنیادی سال) میں تنخواہ ۲۰ ہزار روپے تھی جبکہ سال ۲۰۲۳ء میں اس کی تنخواہ ۴۰ ہزار ہوگئی ہے۔ اشاریہ(index)بندی کے طریقہ کار کے مطابق حساب وکتاب سے یہ بات سامنے آئی تھی کہ گزشتہ دس سالوں میں(۲.۵) کے تناسب سے قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ لہذا موجودہ تنخواہ مبلغ ۴۰ ہزار روپے کو اسی تناسب (۲.۵) پر تقسیم کیا گیا تو مبلغ 16 ہزار روپے آگئے جو کہ چالیس ہزار روپے کی حقیقی قیمت ہے۔ دس سال قبل کے مقابلہ میں اس شخص کی تنخواہ میں عددی اعتبار سے اضافہ ہوا ہے لیکن حقیقی اعتبار سے 4ہزار روپے کم ہوگئی ہے کیونکہ اس کی قوت خرید میں کمی واقع ہوگئی ہے۔

گویا کہ سال ۲۰۲۳ء میں ۴۰۰۰۰ روپے ۲۰۱۳ کے ۱۶۰۰۰ روپے کے مساوی ہوگئے۔ لہذا اگر کسی نے سال ۲۰۱۳ء میں مبلغ ۱۶۰۰۰ روپے قرض لئے تھے تو اب ۲۰۲۳ء میں ۴۰۰۰۰ روپے واپس کرے بصورت دیگر حقدار پر ظلم ہوگا۔اس وجہ سے بعض ماہرین معاشیات قرض کو اشاریہ(Index) کے ساتھ منسلک کرنے کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اسی کے حساب سے قرض کی ادائیگی پر زور دیتے ہیں۔

چونکہ اشاریہ(price index)افراط زر کی شرح کو ظاہر کرتی ہے۔جس کے ذریعے قرض میں دی گئی رقم کی اصل قیمت معلوم ہو جاتی ہے۔ لہذا اس کے مطابق قرض کی ادائیگی کرنے سے حقیقی قیمت ادا ہو جائے گی جو کہ واجب الاداء رقم کی ظاہری قیمت (Face value)سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے،اس طرح دائن کو قرض کی حقیقی قیمت مل جائے گی اور اس کے ساتھ ناانصافی کا پہلو باقی نہیں رہے گا۔

اشاریہ (Index System) سے متعلق مسائل:

قیمتوں کے اشاریے میں اشیاء اور خدمات کی قیمتوں میں کمی بیشی کا جو تناسب نکالا جاتا ہے وہ تقریبی ہے جس کی بنیاد ایک مخصوص حسابی طریقہ ہے جو اندازہ اور تخمین کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس حسابی طریقہ میں درج ذیل اشکالات پائے جاتے ہیں:

۱۔ **اشیاء کی تعیین:** ہر انسان کی ضروریات دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ لہذا ایک شخص کی اشیاء کی ٹوکری بھی دوسرے سے مختلف ہوگی۔ لیکن اشاریہ میں درج ٹوکری صرف ایک ہے جس میں اشیاء وخدمات کو استعمال کرنے والوں کی کثرت کی بنیاد پر درج کیا جاتا ہے۔اس طرح اس میں بعض دفعہ ایسی اشیاء بھی درج ہو جاتی ہیں جن کی بعض لوگوں کو کبھی ضرورت پیش نہیں آتی۔ لہذا ان افراد کے اعتبار سے یہ اشاریہ درست نہیں ہو سکتا۔اس سے معلوم ہوا کہ اشاریہ میں بعض اشیاء محض اندازہ سے درج کی جاتی ہے۔

۲۔ **اشیاء کے وزن کی تعیین:** اشیاء وخدمات کے وزن اور صارفین کے اعتبار سے اس کی اہمیت کے تعیّن میں بھی اندازہ سے کام لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایک چیز ایک شخص کے نزدیک بہت اہمیت کی حامل ہوتی اور وہی چیز دوسرے کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اشاریہ میں جس چیز کی اہمیت فرض کی جاتی ہے وہ تمام صارفین کے اعتبار سے ہے اور یہ درمیانی اوسط کی بنیاد پر فرض کی جاتی ہے جو محض اندازہ و تخمین سے نکالی جاتی ہے۔

۳۔ **اشیاء کی قیمت کا تعیّن:** ایک ہی چیز کی قیمت مختلف شہروں اور اور جگہوں کے اعتبار سے مختلف ہوگی۔ ایک ملک کا اشاریہ بنانا ہو تو اس کے تمام شہروں اور دیہاتوں کے قیمتوں کا درمیانی اوسط نکال کر اشاریہ بنایا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے یہ اوسط اندازہ اور تخمین کے ذریعے نکالا جاسکے گا۔

۴۔ **بعض پہلوؤں کا نظرانداز ہونا:** اشاریہ کے حساب وکتاب میں معاشی اخرجات پر اثرانداز ہونے والے کئی سیاسی، سماجی اور معاشی پہلوؤں کو نظرانداز کیا جاتا ہے جس سے بعض دفعہ اشاریہ درست یا مکمل تصویر پیش نہیں کرتا۔

(مثال کے طور پر حکومتیں انتخابی نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے عوام میں اپنی مقبولیت پیدا کرنے کے لئے اشاریوں کو مستحکم دیکھانے کی کوشش کرتے ہیں، بعض ضروری اشیاء یا بعض صنعتوں کو حکومت سبسیڈی دیتی ہے جس سے مارکیٹ میں ان کی قیمتیں کم دیکھائی دیتی ہیں، بعض دفعہ حکومتیں شرح سود کو کم کردیتے ہیں جس کا معیشت پر طویل المدتی اثر پڑتا ہے جس کو اشاریوں میں ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا، بعض اوقات وقتی معاشی بحران اور قدرتی آفات مکمل طور پر اشاریوں میں شامل نہیں کیا جاتا، مختلف سماجی طبقات دیہاتی علاقوں کے افراد، غریب ومحروم طبقات کے لئے ضروریات زندگی کی قیمتوں میں اضافہ کا اثر زیادہ ہوتا ہے لیکن اشاریہ میں ان عوامل کو نظرانداز کرکے شہر کی اوسط قیمتوں کو مدنظر رکھ کر مرتب کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اشاریہ مکمل معاشی منظر کی عکاسی نہیں کرتا۔)

۵۔ **طویل وقت:** اشاریہ بندی کے لئے معلومات جمع کرنے، اعداد وشمار کرنے اور جائزہ وپڑتال کرکے اعلان کرنے میں کافی وقت صرف ہوجاتا ہے جس سے اشاریہ حال کا نہیں بلکہ کئی ماہ قبل کا بن جاتا ہے۔

۶۔ **بنیادی سال کے انتخاب میں دشواری:** بنیادی سال جس میں قیمتوں میں تبدیلی کی پیائش کی جاتی اس کی تعیین میں دشواری پیش آتی ہے۔ جس سال کو بنیاد بنایا جاتا ہے اس سال کی اشیاء کی ٹوکری میں شامل اشیاء پر صارف کے بعد کے سالوں میں اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کچھ اشیاء وخدمات اساسی سال کے بعد صارف کے ہاں اہمیت کی حامل ہوجاتی ہیں جو ٹوکری میں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتیں۔ اس طرح کی تبدیلیوں کا اشاریہ میں خیال نہیں کیا جاتا۔ لہذا اشاریہ تخمین اور اندازہ پر مبنی ہے۔[34]

مؤجل ادائیگیوں کو اشاریہ سے منسلک کرنے کا شرعی حکم

(34) المصلح، خالد بن عبداللہ، التضخم النقدی فی الفقہ الاسلامی، ۸۲ وما بعدہا، ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ، مسئلہ زر کا تحقیقی مطالعہ شرعی نقطہ نظر سے، ۲۹۹ وما بعدہا، ڈاکٹر محمد بن علي، مقدمة في النقود والبنوك، (مكتبه دار جدة، طبع اول، ۱۴۱۷ھ)، ۲۹۳ وما بعدہا۔

اشاریہ پر وارد ہونے والے اشکالات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اشاریہ اپنے تمام مراحل میں اندازہ و تخمین پر مبنی ہے اگر کسی جگہ پر حسابات میں باریک بینی اور پوری احتیاط بھی کیا جائے تو بھی اس کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ تقریبی تو ہو سکتا ہے یقینی اور واقعی نہیں کہہ سکتے۔ اگر قرضوں کو اشاریہ سے منسلک کیا جائے تو قرض کی ادائیگی میں حقیقی مثلیت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اشاریہ کے ذریعے بھی زر کی مکمل حقیقی قیمت معلوم نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک تخمینی اور تقریبی قیمت ہے۔ مثلاً اشاریہ کے طریقہ کار میں بیان کیا جا چکا ہے کہ سال ۲۰۱۳ میں کسی نے ۱۶۰۰۰ روپے قرض لیا ہے تو سال ۲۰۲۳ء میں اشاریہ کے حساب سے اس کی قیمت ۴۰۰۰۰ روپے ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ حساب بھی حقیقی نہیں ہے بلکہ تقریبی ہے۔ ممکن ہے اس کی قیمت ۴۵۰۰۰ ہزار ہوئی ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ اس کی قیمت ۳۵۰۰۰ روپے ہو چکی ہو۔ اشاریہ کے حساب میں کچھ مؤثرات نظر انداز ہو گئے ہوں اور درست قیمت نکالنے میں غلطی رہ گئے ہو۔ اس طرح قرض کی ادائیگی میں ربا کا امکان ہے۔ فقہاء نے ربا کی تعریف یہ کی ہے کہ

"**الزيادة على رأس المال، قلت أو كثرت**"[35]

(یعنی اصل زر پر اضافہ وصول کرنا چاہے کم یا زیادہ اضافہ وصول کرے وہ ربا ہے۔)

لہذا قرضوں کی ادائیگی کا قیمتوں کے اشاریہ سے منسلک کرنا درست نہیں ہے۔[36]

افراط زر کی صورت میں مؤجل ادائیگیوں پر اثر:

موجودہ پیپر کرنسی میں افراط زر کی وجہ سے قرض دہندہ کو لاحق ہونے والے نقصان اور ضرر کے ازالہ کے لئے قیمت لازم قرار دیا جا سکتا ہے یا مثل واجب ہے؟

اس بارے میں معاصر فقہاء کے آرا مختلف ہیں جن میں سے چند اہم آرا کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱۔ **پہلا قول:** شیخ احمد الزرقا، شیخ مصطفی الزرقا، ڈاکٹر علی القرہ داغی وغیرہ کی رائے کے مطابق قرض خواہ پر حقیقی قیمت ادا کرنا واجب ہے، (جو کہ ظاہری قیمت (face value) سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔) مثال کے طور پر اگر قرض خواہ نے ۱۶ ہزار قرض لیا ہوا تھا تو دس سال بعد اس کی حقیقی قیمت مبلغ ۴۰ ہزار روپے ادا کرنا ہوگا۔[37]

۲۔ **دوسرا قول:** بہت سے معاصر فقہاء کے رائے میں مثل ادا کرنا واجب ہے۔ افراط زر کا کوئی اعتبار نہیں ہے قرض خواہ کو اصل رقم ادا کرنا ہوگا۔ مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنے پانچویں اجلاس میں یہی رائے قائم کی تھی۔[38]

---

(35) سید سابق، فقہ السنۃ، (بیروت، لبنان: دار الكتاب العربي، طبع سوم ۱۳۹۷ھ-۱۹۷۷ء)، ۱۳۰/۳۔

(36) عثمانی، مفتی تقی، فقہی مقالات، (کراچی: میمن اسلامک پبلشرز، ۱۹۹۴ء) ۴۹/۱، ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ، مسئلہ زر کا تحقیقی مطالعہ شرعی نقطہ نظر سے، ص ۳۲۵۔

(37) الزرقا: شیخ احمد، شرح القواعد الفقهية، (دار المغرب الإسلامي، طبع اول، ۱۴۰۳ھ)، ۱۷۴، مکی: مجد احمد: فتاوی مصطفی الزرقا، (دمشق: دار القلم، طبع اول ۱۴۲۰ھ)، ۶۳۰، داغی، علی القرہ، قاعدہ المثلي والقيمي في الفقه الإسلامي، (طبع اول ۱۴۱۳ھ)، ۲۳۵۔

(38) مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، ۲۲۶۱/۳/۵، (قرار نمبر: ۴۲) ۵/۴۔

۳۔ **تیسرا قول:** مدیون پر مثل ادا کرنا واجب ہے الا یہ کہ شدید افراط زر میں قرض دہندہ پر بہت زیادہ ضرر واقع ہو جائے،اور کثرت کی حد ثلث قیمت تک پہنچ جائے تو اس صورت میں قیمت ادا کرنا واجب ہو گا۔

مثال کے طور پر قابل ادار قم مبلغ ۳۰ہزار روپے تھی لیکن ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے چند سال گزرنے کے بعد اس کی حقیقی قیمت ۲۰ہزار روپے ہو گئی ہے۔اس صورت میں افراط زر کی وجہ سے کرنسی کی قیمت ایک تہائی یعنی ۱۰ہزار کم ہو گی ہے لہذا قرض خواہ کو قرض کی حقیقی قیمت مبلغ ۴۰ہزار روپے ادا کرنا ہو گا۔(۳۰۰۰۰ x ۱/۳=۱۰۰۰۰)۔

البتہ بینک میں کرنٹ اکاؤنٹ ڈپازٹ کی صورت میں ڈپازیٹر کو اپنی اصل رقم ملے گی جو اس نے اکاؤنٹ میں جمع کیا ہوا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اکاؤنٹ ہولڈر، مدین (بنک) کے پاس رقم اپنی مکمل اختیار اور رضامندی کے ساتھ چھوڑتا ہے کیونکہ بینک ڈپازیٹر جب چاہے اپنی رقم نکال سکتا ہے اور اس رقم کو افراط زر سے بچا کر کسی فائدہ مند تجارتی سرگرمی میں لگا سکتا ہے۔گویا کہ وہ رقم اس کے اپنے پاس ہونے کے مترادف ہے۔اگر وہ بینک سے نکال کر تجارتی سرگرمی میں لگائے بغیر اپنے پاس محفوظ رکھتے تو بھی اسی طرح افراط زر کا شکار ہو جاتا۔ جبکہ اس کے مقابلے میں قرض دہندہ کو قرض میں اور بائع کو بیع مؤجل میں مدین مطالبہ پر بروقت ادائیگی نہیں کرتا بلکہ اس کی طرف سے تاخیر کا سامنا رہتا ہے۔ مجمع الفقہ الاسلامی اپنے بارہویں اجلاس میں یہ رائے قائم کی ہے۔[39]

۴۔ **چوتھا قول:** افراط زر شدید اور اچانک واقع ہو جائے اور قرض دہندہ کے لئے بڑا ضرر ہو تو اس صورت میں فریقین آپس میں صلح کرلے اور افراط زر کی وجہ سے ہونے والے نقصان کو باہمی رضامندی سے آپس میں تقسیم کر دے۔ صلح نہ ہونے کی صورت میں فریقین ثالث یا قاضی کی طرف رجوع کرے اور ثالث یا قاضی دائین کے ضرر کی مقدار کا جائزہ لے کر طرفین میں اس خسارہ کو تقسیم کر دے۔ مثلاً اگر ۳۰ہزار مؤجل واجب الاداء رقم کی ادائیگی کے وقت ۱۰ہزار روپے قیمت کم ہو جائے تو طرفین باہمی رضامندی سے خسارہ کو تقسیم کر دے۔ باہم اتفاق نہ ہونے کی صورت میں فریقین میں سے ایک کسی ثالث یا عدالت میں معاملہ اٹھائے اور ثالث یا عدالت جائزہ لے کر فیصلہ کرے کہ مدین افراط زر کی وجہ سے واقع ہونے والی کمی میں سے کتنی مقدار ادا کرے۔۔ مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنے بارہویں اجلاس میں یہ تجویز بھی پیش کی ہے۔[40]

دلائل:

قول اول کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ پیپر کرنسی کی قوت خرید میں کمی واقع ہونا مؤثر عیب ہے لہذا قیمت ادا کرنا لازمی ہو گا۔

۲۔ قرض میں مثل ادا کرنا واجب ہے۔افراط زر کی صورت میں کرنسی کی قدر گر جانے سے تماثل باقی نہیں رہا۔

---

[39] البیان الختامی ،التوصيات والمقترحات للدورة الثانية عشر لمجمع الفقه الاسلامی، مجلة مجمع الفقه الإسلامي، العدد ۱۲، جزء ۴ ۲۸۵-۲۸۸

[40] ایضا۔

۳۔ پیپر کرنسی میں معاملہ طے ہونے کے بعد واجب الادا رقم کی وصولی سے قبل مدین کے پاس اس رقم میں افراط زر کی صورت میں عیب واقع ہوا ہے۔ لہذا اس کا ضمان مدین پر ہے، وہ قیمت کی شکل میں ضمان ادا کرنے کا پابند ہوگا۔ جس طرح قبضہ سے قبل اگر مبیع میں عیب واقع ہو جائے تو ضمان بائع پر لازم آتا ہے اسی طرح یہاں واجب الادا رقم میں عیب واقع ہوا ہے جس کا ضمان مدین قیمت کی شکل میں ادا کرے گا۔

قول ثانی کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ پیپر کرنسی کی قوت خرید میں کمی واقع ہونے کے باوجود اس کی ثمنیت باقی ہے یعنی وہ بطور ثمن لوگوں کے ہاں رائج ہیں اور اس کے ذریعے لین دین کیا جا رہا ہے۔ لہذا ایک کرنسی میں معاملہ طے ہونے کے بعد قرض خواہ پر عقد کے وقت طے شدہ رقم ادا کرنا لازم ہوگا، اس سے زیادہ ادا کرنے کا وہ پابند نہیں ہے۔ اگر اس کرنسی کی ثمنیت ختم ہو جاتی تو قیمت ادا کی جا سکتی تھی لیکن یہاں ایسی کوئی صورتحال کا سامنا نہیں ہے۔

۲۔ پیپر کرنسیاں مثلیات ہیں، افراط زر سے ان کے مثلیات کا وصف ختم نہیں ہوتا۔ لہذا مثل ادا کرنا واجب ہوگا۔

۳۔ افراط زر کی وجہ سے قرضوں کی ادائیگی میں قیمت واجب قرار دینے سے ربا کا دروازہ کھل جائے گا کیونکہ اس میں قرض کی اصل زر سے زیادہ قرض کی عوض میں ادا کرنا پڑھتا ہے۔[41]

قول ثالث کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱۔ مالی اور تجارتی معاملات میں شریعت کے اہم مقاصد میں سے عدل کا قیام اور ظلم سے بچنا ہے۔ بہت زیادہ افراط زر کی صورت میں قرض میں مثل ادا کرنا عدل کا تقاضا نہیں ہے بلکہ اس میں قرض دہندہ پر ظلم ہوگا۔

۲۔ کرنسی کی قوت خرید میں بہت زیادہ کمی واقع ہونا عیب ہے جس کا تعویض قرض کی ادائیگی میں قیمت کی شکل میں تعویض دینا ہوگا۔

۳۔ قوت خرید میں بہت زیادہ کمی سے قرض دہندہ پر بھاری ضرر واقع ہوتا ہے لہذا اس ضرر کا ازالہ ضروری ہے جیسے کہ فقہی قاعدہ ہے:(الضرر يُزال).

۴۔ بنک ڈپازٹ کو مستثنی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ مکمل طور پر دائن کے اختیار میں ہے کہ وہ جب چاہے اس کو وصول کر سکتا ہے۔[42]

قول رابع کے دلائل درج ذیل ہیں:

---

[41] ایضا، داؤد، بایل عبدالحفیظ یوسف، تغییر القیمة الشرائیه للنقود الورقیه(المعہد العالمی للفکر الاسلامی، طبع اول ۱۹۹۹ء)، ۲۹۸، الجعید، ستر بن ثواب، احکام الاوراق النقدیة والتجاریة فی الفقه الاسلامی ،(رسالة ماجستیر، جامعۃ ام القری مکہ المکرمہ، ۱۴۰۶ھ)، ۴۹۷، وما بعدہا۔

[42] الجاسر، سلطان بن محمد ، الاوراق النقدية دراسه فقهيه، ۲۲۸وما بعدہا، مجلة مجمع الفقه الإسلامي، العدد ۱۲، جزء ۴ ص: ۲۸۵-۲۸۸۔

ا۔ فقہی نظائر سے استدلال کرتے ہیں کہ عقود میں غیر معمولی صورت حال میں التزامات میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہیں۔ مثلا

- عقد اجارہ میں جنگ وغیرہ کی وجہ سے منفعت کا حصول ممکن نہ ہو تو عقد فسخ کیا جا سکتا ہے۔
- جائحہ (زیادہ بارش، ژالہ باری، پھل میں کیڑا لگنا وغیرہ) کی صورت میں خراب پھل کے مقابلہ میں ثمن ساقط ہو جاتا ہے۔

ا۔ قوت خرید میں اچانک بہت زیادہ کمی سے قرض دہندہ پر بھاری ضرر واقع ہوتا ہے لہذا اس ضرر کا ازالہ ضروری ہے جیسے کہ فقہی قاعدہ ہے: (الضرر یُزال).[43]

معاصرین کے آراء بنیادی طور پر دو اقوال کی طرف لوٹتے ہیں۔ ایک گروہ مثل ادا کرنے کو لازمی قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرا بہت زیادہ افراط زر کی صورت میں قیمت ادا کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ فقہاء کے اقوال اور دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ معمولی نوعیت کے افراط زر کی صورت میں مثل صوری کی ادائیگی کے بارے میں اتفاق ہے لیکن افراط زر غیر متوقع اور بہت زیادہ ہو تو فقہاء کا اختلاف ہے اور دونوں جانب کے دلائل بہت اہمیت کے حامل ہیں جن پر مزید غور وخوض کی ضرورت ہے تاہم بظاہر قیمت واجب قرار دینے والوں کے دلائل قرین انصاف معلوم ہوتے ہیں۔ لہذا یہاں مؤجل ادائیگیوں میں افراط زر کے باؤجود عددی مثل (face value) ادا کرنے کو لازمی قرار دینے والے فقہاء کے چند اہم دلائل اور مخالف رائے پر عموماً اٹھائے جانے والے اعتراضات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

- **کرنسی کی قیمت میں عیب کی صورت میں مدین پر ضمان لازم نہیں ہے کیونکہ شئ مغصوب کی قیمت میں کمی کا ضمان غاصب پر نہیں آتا لہذا قرض میں قیمت کی کمی کا ضمان بالأولی مدین پر نہیں ہے۔**

اس دلیل پر اگر غور کرے تو یہ ایک مختلف فیہ اصل پر قیاس ہے کیونکہ بعض فقہاء اس صورت میں غاصب کو ضامن قرار دیتے ہیں۔ دوسری بات کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ عین مغصوبہ عین لذاتہ ہے جبکہ کاغذی کرنسی کا مقصد عین نہیں بلکہ اس کی قوت خرید ہے۔

- **مدین افراط زر کا سبب نہیں ہے۔ اگر یہ رقم دائن کے پاس بھی ہوتا تب بھی قیمت میں کمی واقع ہو جاتا۔**

اس اعتراض پر غور کرے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ رقم مدین کے پاس رہنے کی وجہ سے دائن نے اس کو فائدہ مند تجارتی سرگرمیوں میں لگانے کے مواقع گنوا دیئے۔ اگر یہ رقم دائن کے پاس ہوتے تو وہ کم از کم اس کی اصل قیمت کی حفاظت کی حد تک کسی مناسب تجارتی سرگرمی میں لگا سکتا تھا جس کے لئے مدین مانع بنا۔

- **افراط زر کی وجہ سے کاغذی کرنسی کی ثمنیت باقی رہتی ہے۔ اس لئے مثل ظاہر ادا کرنا لازم ہے۔**

اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ قیمت واجب قرار دینا اس کی ثمنیت باطل ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی قوت خرید میں نقص کی وجہ سے ہے جو کہ ایک مؤثر عیب ہے۔ یعنی قیمت واجب قرار دینا ازالہ ضرر کے لئے ہے۔

- **افراط زر کا مدین سبب نہیں ہے۔ اس کے باؤجود قیمت ادا کروانا اُس پر ظلم ہے۔**

---

[43] الجاسر، سلطان بن محمد، الاوراق النقدیۃ دراسہ فقہیہ، ۲۲۸ وما بعدہا، مجلۃ مجمع الفقہ الإسلامي، العدد ١٢، جزء ۴ ص: ۲۸۵-۲۸۸۔

مدین، واجب الادا، دین کے حوالے سے ضامن ہے یعنی "ید المدین ید ضمان" لہذا اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ نقص اور عیب کا سبب مدین خود ہے یا کوئی غیر۔

- **کرنسی نوٹ مثلی ہے اور مثلی اشیاء کے قرض کی صورت میں مثل ادا کرنا لازمی ہے۔**

کرنسی نوٹ کو اُن متقارب اوقات میں مثلی قرار دیا جا سکتا ہے جن میں اس کی قوت خرید میں زیادہ واضح فرق نہ آ رہے ہوں لیکن بعض کرنسی نوٹوں میں رقم مدین کے ذمہ میں ثابت ہونے سے ادائیگی تک کے اوقات کے دوران میں قیمت کے اعتبار سے واضح تغیرات واقع ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں ان کرنسیوں پر مثلی ہونے کا وصف صادق نہیں آتا کیونکہ مثل صوری کا اعتبار اس وقت ہو گا جب معنوی طور پر بھی مثلی ہو۔

دوسری بات یہ کہ اوراق نقدیہ کی ذاتی قیمت نہیں ہے۔ لہذا گندم، جو اور سونا چاندی وغیرہ کی مثلیت ان پر منطبق نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان اشیاء کی بطور سامان (سلع) اپنی ذاتی قیمت کے ساتھ ثمنیت کی قیمت اضافی ہے۔ جبکہ کاغذی کرنسی کی قیمت محض قوت خرید ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کرنسی نوٹ میں ظاہری مثلیت کا اعتبار نہ کیا جائے اور اس کی قوت خرید مختلف اوقات میں مختلف ہونے کی صورت میں مثل صوری کے بجائے قیمت ادا کی جائے۔

- **افراط زر کی بنیاد پر مؤجل ادائیگیوں میں قیمت ادا کرنے کی اجازت دینے کی صورت میں ربا کا دروازہ کھل سکتا ہے۔**

افراط زر کی صورت میں جو اضافہ ادا کیا جاتا ہے وہ ربا کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ یہ اضافہ کرنسی کی قوت خرید میں واقع ہونے والے عیب (جو نقص کی شکل میں رونما ہوا ہے) کا ضمان ہے۔ یعنی کرنسی کی قوت خرید میں کمی کے مقابل اضافہ ادا کیا جا رہا ہے جبکہ ربا میں اضافہ بلا مقابل وصول کیا جاتا ہے۔ ربا کا دروازہ اس وقت کھل سکتا ہے جب عقد کے وقت اضافہ مشروط ہو اور ہر حال میں وہ اضافہ وصول کیا جائے۔ جبکہ یہاں قیمت کا تعین ادائیگی کے موقع پر اس وقت کی جاتی ہے جب افراط زر کی وجہ سے بہت زیادہ قیمت میں تغیر واقع ہوا ہو۔ اگر قیمت میں معمولی نوعیت کا تغیر واقع ہوا ہو اور لوگ عمومی طور پر ایسے کمی بیشی کی صورت میں درگزری سے کام لیتے ہوں تو قیمت کی شکل میں اضافہ ادا کرنا لازم نہیں ہو گا۔

نیز مالی امور میں عدل کا قیام اور ظلم کی روک تھام شریعت کے مقاصد ہیں۔ افراط زر کے باوجود مؤجل ادئیگیوں میں مثل صوری لازم قرار دینا عدل کے منافی ہے اور معمول کے عرف سے ہٹ کر کرنسی نوٹ کی قیمت میں بہت زیادہ تغیر پیدا ہونے سے دائن کے ساتھ ظلم ہو گا۔ اس لئے عدل کا تقاضا ہے کہ ایسی صورت حال میں قیمت ادا کی جائے۔ دوسری طرف قیمت ادا کرنے میں مدین کے ساتھ بھی زیادتی نہیں ہے۔ اگرچہ یہاں اصل رقم سے عددی طور پر اضافہ ادا کیا جا رہا ہے لیکن یہ اضافہ مدین کے ہاں اصل رقم کی قوت خرید میں نقص پیدا ہونے کا ضمان ہے۔ کیونکہ نقص اور عیب کی صورت میں مدین ضامن ہے لہذا اس میں ظلم کا پہلو نہیں ہے۔

- **قرون اولی یعنی عہد رسالت اور صحابہ وتابعین کے دور میں بھی کرنسی کی قیمت میں اتار چڑھاؤ ہوتے تھے لیکن وہ لوگ اپنے تعاملات میں وہی زر لیتے تھے جس پر معاملہ طے ہوا تھا۔ اگر قیمت کا لحاظ کرتا تو ضرور نقل ہوتی۔**

اس پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرون اولی میں لین دین کے لئے جو زر رائج تھا وہ دینار و درہم تھے جو کہ سونا اور چاندی کے سکے تھے۔ اس لئے بطور زر ان کی قیمت میں زیادہ تغیر واقع نہیں ہوتے تھے۔ تھوڑی بہت کمی واقع ہو جانے سے زیادہ فرق نہیں پڑتے تھے کیونکہ ان سکوں کی (سونا اور چاندی کی شکل میں) اپنی ذاتی قیمت بھی ہوتی اور بطور ثمن رائج ہونا ایک اضافی وصف تھا۔ جبکہ موجودہ کاغذی کرنسیوں کی اپنی ذاتی قیمت نہیں ہے بلکہ ان کی قیمت قوت خرید ہے۔

- **قرض حسن ارفاق کے لئے ہے، لہذا شارع نے قرض کے معاملے میں ڈھیل دینے کی فضیلت بیان کی ہے جو کہ دیگر اسرار و حکمتوں کے علاوہ اس حکمت کی وجہ سے بھی ہے کہ قرضہ کی رقم کی قیمت میں کمی بھی واقع ہو سکتی ہے جس سے دائن و بائع کو ضرر پہنچ سکتا ہے، اس لئے قرض کو فضیلت دی گئی ہے۔**

قرض کے معاملے میں ڈھیل دینے کی فضیلت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اصل رقم میں یا اس کی قیمت میں کمی کرکے ادا کروایا جائے۔ تنگ دست کے لئے قرض میں ڈھیل دینے کو بہتر قرار دیا ہے، اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ قرض کی قیمت میں کمی واقع ہو جانے کی صورت میں پوری نہ کی جائے۔ علاوہ ازیں اصولا حکم کی بنیاد علت ہے نہ کہ حکمت۔

نیز قرض کی فضیلت کی حکمت قیمت میں کمی ہونے کے امکان کو قرار دینا بھی محل نظر ہے کیونکہ قرض کی فضیلت صدقہ سے افضل ہونے کی وجہ آپ ﷺ نے اسراء و معراج کے موقع پر جبریل علیہ السلام سے استفسار کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ مانگنے والا اپنے پاس مال ہونے کے باوجود دست سوال پھیلاتا ہے جبکہ قرض خواہ ضرورت کے بغیر قرض نہیں لیتا۔[44] اللہ تعالی کا فرمان ہے" وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة"[45] اگر تنگ دست ہے تو اس کو آسانی تک مہلت دی جائے۔" ایک حدیث میں آپ ﷺ نے تنگ دست کو ڈھیل دینے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا، نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة. ومن يسر على معسر، يسر الله عليه في الدنيا والآخرة.... والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه." [46].

(جو کوئی کسی مسلمان کی دنیوی مشکل دور کردے تو اللہ تعالی اس کی قیامت کی پریشانی دور فرمائے گا، اور جو کسی تنگ دست پر قرض کی وصولی میں آسانی کرے تو اللہ تعالی اس کے لئے دنیا و آخرت میں آسانی کا معاملہ کرے گا اور اللہ تعالی اس وقت تک بندے کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔)

---

[44] عن أنس بن مالك، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، رأيت ليلة أسري بي على باب الجنة مكتوبا، الصدقة بعشر أمثالها، والقرض بثمانية عشر، فقلت :يا جبريل ما بال القرض أفضل من الصدقة؟ قال :لأن السائل يسأل وعنده، والمستقرض لا يستقرض إلا من حاجة" ابن ماجهم محمد بن يزيد القزويني (ت٢٣٧ ھ)، سنن ابن ماجه، (دار إحياء الكتب العربية)، رقم (٢٤٣١)٢/٨١٢۔

[45] سورۃ بقرہ، آیت: ۲۸۰۔

[46] مسلم، أبو الحسين مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري، (٢٠٦ - ٢٦١ ھ)، صحيح مسلم، تحقيق فؤاد عبدالباقي،(القاهرة ، ببيروت: مطبعة عيسى البابي الحلبي وشركاه،ثم صورته دار إحياء التراث العربي ، وغيرها، طبع ١٣٧٤ھ- ١٩٥٥ء)، رقم الحديث(٢٦٩٩)، ۴/۲۰۷۴۔

ان نصوص سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرض فراہم کرنے اوراس میں ڈھیل دینے کی فضیلت اس لئے ہے کہ جس کے ذریعے انتہائی ضرورت مند کی مدد ہوتی ہے اوراس کی مشکلات میں آسانی پیدا کرنے کے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔

قرض دینے والا ضرورت مند کی مدد کرنے کے بعد یہی چاہتا ہے کہ اس کی ضرورت پوری ہونے کے بعد یااپنی ضرورت کے وقت رقم اپنی اصل قیمت کے ساتھ مل جائے۔ تھوڑی بہت کمی کی صورت میں عام طور پر لوگ تسامح سے کام لیتے ہیں لیکن بہت زیادہ کمی کی صورت میں درگزری کا معاملہ نہیں کرتے۔اس طرح بہت زیادہ افراط زر کے بعد بھی عددی طور پر وہی رقم واپس کرنے سے دائن کی رضامندی مفقود ہو جائے گی جبکہ اس کی رضامندی عقد میں ضروری ہے۔

(یا أیها الذین آمنوا لا تأكلوا اموالكم بینكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم) [47]

("اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ،الا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو(تو جائز ہے)۔")

دوسری جانب بیع کی صورت میں بائع کا مقصد عام طور پر فائدہ کمانا ہوتا ہے،اگر عددی مثل ادا کرنا لازم قرار دے تو مبیع کی قیمت ادھار رکھنے کے بعد ادائیگی کے وقت افراط زر کی وجہ سے بائع کو اپنی اصل لاگت سے بھی کم قیمت مل جائے گی جس پر وہ رضامند نہیں ہو گا اور مدین مماطل ہو تو اس سے نبی کریم ﷺ نے صراحت کے ساتھ ظلم قرار دیا ہے۔

"مطل الغني ظلم"[48]

(مالدار کا قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لینا ظلم ہے۔)

شدید نوعیت کے افراط زر کے وقت قیمت لازم قرار نہ دینے میں مفاسد کا پہلو بھی ہے کہ لوگ قرض حسن دینے سے کترانے لگیں گے اور ضرورت مندوں کے مصالح فوت ہو جائیں گے۔اس طرح اہل ثروت کے پاس مال پڑے رہیں گے یا وہ غیر پیداواری سرگرمیوں میں صرف ہو جائیں گے اور معاشرے کے ضرورت منداس سے مستفید نہیں ہو پائیں گے جو کہ اقتصادی لحاظ سے ملک اور عام افراد کے لئے مضرت کا باعث بنے گا۔ لہذا جلب مصالح، رد مفاسد(سد ذرائع)، عدل اور ازالہ ضرر جیسے شرعی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے غور کی ضرورت ہے۔

- قیمت میں بہت زیادہ کمی واقع ہونے سے دائن پر ضرر واقع ہوتا ہے لہذا فقہی قاعدہ "الضرر یُزال "کے مطابق اس کے ضرر کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ اس سے مدین پر بھی ضرر واقع ہو جاتا ہے مذکورہ فقہی قاعدہ کا ایک فرعی قاعدہ یہ کہتا ہے کہ "الضرر لایُزال بالضرر "یعنی ضرر کا ازالہ ضرر کے زریعے نہیں کیا جائے گا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ ضرر کا ازالہ اسی طرح یا اس سے شدید نوعیت کے ضرر کے ذریعے ازالہ نہیں کیا جائے گا لیکن اس سے کم نوعیت کے ضرر کے ذریعے ازالہ ممنوع نہیں ہے بلکہ مطلوب ہے جیسے کہ اس

[47] سورہ النساء، آیت (۲۹)۔

[48] البخاري، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، (عطاءات العلم ، ۴۱۲/۲۔

کے ایک اور فرعی قاعدہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔"الضرر الاشد يُزال بالاخف"[49] یعنی شدید ضرر کا ازالہ کم تر ضرر کے ذریعے کیا جائے گا۔افراط زر کی صورت میں قیمت ادا کرنے سے دائن کے ضرر میں تخفیف ہوتی ہے کیونکہ ضرر صرف ایک فریق کو برداشت کرنا نہیں پڑتا بلکہ فریقین میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔

اس ضمن میں مجمع الفقہ الاسلامی کے زیر اہتمام (الندوة الفقهية الاقتصادية لدراسة قضايا التضخم)1999ء کے سفارشات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (التوصيات والمقترحات):

أولا – تأكيد العمل بالقرار السابق رقم ٤٢ (٤ / ٥) في غير حالات التضخم، ونصه: "العبرة في وفاء الديون الثابتة بعملة ما، هي بالمثل وليس بالقيمة؛ لأن الديون تقضى بأمثالها، فلا يجوز ربط الديون الثابتة في الذمة، أيا كان مصدرها بمستوى الأسعار."

وأما في حالات التضخم فيطبق ما يلي:

ثانيا – مدى اعتبار التضخم مؤثرا في الديون الآجلة:

أ- إذا كان التضخم عند التعاقد (ثبوت الحق في الذمة) متوقعا فإنه لا يترتب عليه أي تأثير في تعديل الديون الآجلة، فيكون وفاؤها بالمثل وليس بالقيمة. وذلك لحصول التراضي ضمنا بنتائج التضخم، ولما في ذلك من استقرار التعامل.

ثالثا – إن كان التضخم عند التعاقد غير متوقع الحدوث وحدث، فإما أن يكون وقت السداد كثيرا أو يسيرا، وضابط التضخم الكثير أن يبلغ ثلث مقدار الدين الآجل:

أ- إذا كان التضخم يسيرا فإنه لا يعتبر مسوغا لتعديل الديون الآجلة؛ لأن الأصل وفاء الديون بأمثالها، واليسير في نظائر ذلك من الجهالة أو الغرر أو الغبن مغتفر شرعا.

ب- وإذا كان التضخم كثيرا، فإن وفاء الدين الآجل حينئذ بالمثل (صورة) يلحق ضررا كثيرا بالدائن يجب رفعه، تطبيقا للقاعدة الكلية (الضرر يزال) والحل لمعالجة ذلك (فيما عدا الحسابات الجارية) هو اللجوء إلى:

الصلح: وذلك باتفاق الطرفين – عند سداد الدين الآجل فيما عدا الحسابات الجارية – على توزيع الفرق الناشئ عن التضخم بين المدين والدائن بأي نسبة يتراضيان عليها.......

خامسا – إذا تعذر الصلح بين الدائن والمدين لتحديد ما يتحمله كل منهما من الفرق الناشئ عن التضخم، فإنه يصار إلى إحدى هاتين الوسيلتين:

١- التحكيم: وهو اتفاق طرفي خصومة معينة على تولية من يفصل في منازعة بينهما بحكم ملزم يطبق الشريعة الإسلامية، هو مشروع سواء أكان بين الأفراد أم في مجال المنازعات الدولية. وقد صدر في شأن التحكيم قرار المجمع رقم ٩١ (٨ / ٩)

٢- القضاء: وذلك برفع أحد الطرفين الأمر إلى القضاء، فينظر القاضي في مقدار الضرر الواقع على الدائن (فرق التضخم) ويحدد ما يتحمله المدين على نحو ما قيل في الصلح.

---

[49] السیوطی، عبد الرحمٰن السیوطی، الاشباه والنظائر فی قواعد وفروع فقه الشافعية، (دارالكتاب العربی، طبع اول، ۱۴۰۶ھ)، ۸۷۔

ولا ينبغي لأحدهما التعنت برفض اللجوء إلى إحدى الوسائل السابقة.

والقول بتعديل الديون الآجلة بسبب التضخم الكثير، وجعل الثلث حد الكثرة يستند إلى عمومات نصوص الكتاب والسنة الآمرة بالعدل والإنصاف والنهاية عن الظلم. ويستأنس لذلك بقاعدة (وضع الجوائح) الثابتة في السنة الصحيحة، وبأساس التعويض عن العيب بناء على قاعدة الجوابر، باعتبار أن التغير الكبير في القوة الشرائية للعملة عيب يستوجب جبر النقص، وبمبدأ (المظالم المشتركة) ، وهي النوائب التي تنزل بواحد ممن يجمعهم وصف مشترك فيتم تحميلها بالعدل على المشتركين".)

ترجمہ:(**سفارشات اور تجاویز:**

- **اول:** افراط زر کے علاوہ دیگر صورتوں میں سابقہ قرارداد نمبر ۴۲(۵/۴) پر عمل کرنے کی تاکید کی جاتی ہے جس کا متن یہ ہے کہ "ایک مخصوص کرنسی میں طے شدہ (ثابت) قرضہ جات کی ادائیگی مثل میں کی جائے گی قیمت میں نہیں، کیونکہ قرض کی ادائیگی مثل میں کی جاتی ہے، لہذا ذمہ میں ثابت دین جس کا ذریعہ جو بھی ہو قیمتوں کی سطح (اشاریہ) سے جوڑنا جائز نہیں ہے۔"

جہاں تک افراط زر کی صورت کا تعلق ہے اس کے لئے درج ذیل اقدامات کئے جائیں:

- دوم: مؤجل ادائیگیوں پر افراط زر کے مؤثر ہونے کی حد:

اگر عقد کے وقت افراط زر متوقع تھی تو مؤجل ادائیگیوں پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا اور قرض مثل کی صورت میں ادا کیا جائے گا نہ کہ قیمت کے مطابق، کیونکہ افراط زر کے نتائج کے ضمن میں باہم رضامند ہیں، اور اس پر (لوگوں کے ہاں) لین دین کا تعامل مستحکم طور پر چل رہا ہے۔

- **سوم:** اگر معاہدے کے وقت افراط زر ہونا غیر متوقع تھا، اور بعد میں افراط زر واقع ہو گیا تو مؤجل قرض کی ادائیگی کے وقت افراط زر زیادہ ہوگا یا کم ہوگا۔ افراط زر کی کثرت کا پیمانہ مؤجل قرض کا ثلث ہے۔

(الف) اگر افراط زر معمولی ہو تو مؤجل قرضہ جات میں تبدیلی کا جواز نہیں بنتا، کیونکہ اصل یہ ہے کہ قرض مثل کے مطابق ادا کیا جائے، اور معمولی نوعیت کی جہالت، غرر اور غبن شرعی طور پر معاف ہیں۔

(ب) اگر افراط زر زیادہ ہے تو مؤجل قرض کی ادائیگی مثل (صوری) میں کرنے کی صورت میں میں قرض دہندہ کو بہت زیادہ ضرر لاحق ہو جاتا ہے جس کا قاعدہ کلیہ (الضرر یزال) کے تحت ازالہ ضروری ہے۔ (کرنٹ اکاؤنٹ کے علاوہ دیگر قرضہ جات) میں اس مسئلہ کے حل کے لئے درج ذیل طریقہ کار اپنایا جائے۔

صلح: (کرنٹ اکاؤنٹ کے علاوہ دیگر) مؤجل ادائیگیوں میں ادائیگی کے وقت افراط زر کی وجہ سے پیدا ہونے والے فرق کو فریقین باہمی رضامندی سے کسی متفقہ تناسب پر آپس میں تقسیم کرے۔۔۔۔۔۔

- پنجم: اگر دائن اور مدین کے مابین افراط زر کے فرق (خسارہ) کی مقدار باہم تقسیم کرنے پر مصالحت ممکن نہ ہو تو درج ذیل میں سے کسی ایک طریقہ کار کو اپنایا جائے۔

۱۔ **ثالثی:** یہ ہے کہ تنازعہ کے فریقین باہمی اتفاق سے کسی تیسرے شخص کو شریعت کے مطابق تنازعہ کے فیصلہ کے لئے منتخب کرتے ہیں جس کا فیصلہ ماننے کا فریقین پابند ہوتے ہیں۔ثالثی کا طریقہ کار افراد اور بین الاقوامی دونوں نوعیت کے تنازعات میں جائز ہے۔ اس کے متعلق مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد نمبر ۹۱(۹/۸) جاری ہو چکا ہے۔

۲۔ **عدالتی کارروائی:** فریقین میں سے ایک معاملہ عدالت میں پیش کرے اور قاضی دائن کے نقصان کی مقدار (افراط زر کا فرق) کی جانچ پڑتال کر کے مدین کی طرف سے نقصان برداشت کرنے کی مقدار کا تعین کرے گا۔ جس طرح صلح کی صورت میں کہی گئی ہے۔

فریقین میں سے کسی ایک کو بھی درج بالا طریقہ کار میں سے ایک کو اختیار کرتے ہوئے معاملہ سلجھانے سے انکار کرنا مناسب نہیں ہے۔

افراط زر زیادہ ہونے کی صورت میں سے مؤجل ادائیگیوں میں تبدیلی کرنے اور کثرت کے لئے حد ثلث مقرر کرنے کی بنیاد کتاب وسنت کے وہ عمومی نصوص ہیں جن میں عدل وانصاف اور ظلم سے بچنے کا حکم دیا گیا۔ اس رائے کے لئے وضع الجوائح کے قاعدے سے بھی استئناس کیا جاسکتا ہے جو کہ صحیح سنت سے ثابت ہے۔ علاوہ ازیں اس کی اساس قاعدة الجوابر (نقص پورا کرنا) بھی ہے جس کی رو سے عیب کی وجہ سے پیدا ہونے ولے نقص کی تعویض وصول کی جاتی ہے۔ کرنسی نوٹ کی قوت خرید میں نمایاں تبدیل رونما ہونا عیب ہے جس کی تلافی ضروری ہے۔ نیز اس رائے کی تائید کے لئے المظالم المشترکة کا اصول بھی پیش نظر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک گروہ جو کسی وصف مشترک کی وجہ سے باہم جڑے ہوئے ہیں، اس گروہ میں سے کسی ایک پر آفت آجائے تو اس میں شامل تمام افراد عدل کے ساتھ اس کو باہم برداشت کرتے ہیں۔[50]

افراط زر غیر متوقع ہو جس سے دائن کو بہت زیادہ ضرر لاحق ہو جائے اور عام طور پر عرف وعادت میں اس طرح کی کمی کی صورت حال میں میں لوگ مسامحت اور درگزری سے کام نہ لیتے ہوں اور ایسے نقص کو برداشت نہیں کیا جاتا ہو تو اس صورت میں مدین کو قیمت ادا کرنا ہوگا۔ افراط زر میں کثرت کا معیار ثلث کو قرار دینا نسبی معلوم ہوتا ہے۔ لہذا کثرت کا معیار عرف وعادت کو قرار دینا زیادہ موزون لگتا ہے۔ عرف مختلف اور غیر منضبط ہونے کی صورت میں عدالت یا ثالثی کے ذریعے تغیر کی نسبت طے کئے جائیں اور اس حوالے سے مالیاتی اور اقتصادی امور کے ماہرین کی بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ اور عدالتی یا ثالثی فیصلوں کی روشنی میں مؤجل ادائیگی کی جائے۔

مذکورہ بالا بحث اس صورت حال کے حوالے سے ہے جب افراط زر کی وجہ سے مؤجل ادائیگی کے بارے میں فریقین کے مابین اختلاف اور تنازعہ کھڑا ہو جائے۔ اس کے برعکس اگر مدین ادائیگی کے وقت رضاکارانہ طور پر افراط زر کے فرق (خسارہ) کو پورا کرے یا بطور احسان اضافہ ادا کر دے تو یہ مستحسن امر ہے جس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص سے اونٹ لیا ہوا تھا۔ وہ شخص اس کا مطالبہ کرنے آیا تو آپ ﷺ کے پاس اس کے اونٹ سے بہتر اونٹ موجود تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا

---

[50] مجلة مجمع الفقه الإسلامي، العدد ۱۲، جزء ۴۴، ۲۸۵-۲۸۸۔

" أَعْطُوهُ، فَإِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ قَضاءً" (51)

(اس کو بہتر اونٹ دے دو کیونکہ لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو قرض کو احسن انداز میں ادا کرے۔(واللہ اعلم بالصواب)

نتائج وسفارشات:

۱۔ دینار و درہم سونے اور چاندی کے سکے ہیں ان کی قیمت میں کمی پیشی ہونے کی صورت میں زیادہ فرق نہیں پڑتا اور نتیجۃً مؤجل ادائیگیوں پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا کیونکہ ان کرنسیوں کی بطور سونا اور چاندی ذاتی قیمت بھی ہے جبکہ موجودہ کاغذی کرنسی قانونی زر ہے اور اس کی قدر قوت خرید ہے۔ لہذا قوت خرید میں بہت زیادہ تغیر واقع ہو جائے تو مؤجل ادائیگیوں میں قیمت ادا کرنا قرین انصاف معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ معمولی نوعیت کے افراط زر میں مؤجل ادائیگیوں پر اثر مرتب نہیں ہوتے کیونکہ اکثر لین دین تھوڑی بہت کمی بیشی سے خالی نہیں ہوتے اس لئے عام طور پر لوگ ان میں در گزری سے کام لیتے ہیں۔ لہذا اس میں کثرت و قلت کے تعیُّن میں عرف و عادت کا اعتبار کیا جائے۔

۳۔ افراط زر کی صورت میں قیمت کے تعین کے لئے اشاریہ (Price Index) کے ساتھ مربوط کرنا شرعا درست نہیں ہے کیونکہ اشاریہ تخمینی ہے۔

۴۔ افراط زر کی شکل میں کرنسیوں کی قوت خرید میں واضح فرق واقع ہونا ایک مسلمہ امر ہے لیکن مؤجل ادائیگیوں کے وقت قیمت کا تعین شرعی طور پر موجودہ اشاریہ (Price Index) کے ذریعے کرنا درست نہیں ہے لہذا اقتصادی اور شرعی و قانونی ماہرین پر مشتمل ٹیم اس کے لئے موزوں حل تلاش کرے، یا موجودہ اشاریہ بندی میں موجود خامیوں کو دور کرنے پر غور کرے۔

۵۔ افراط زر کا تعین حکومت یا ایسے نجی اداروں کے تحت کیا جائے جن کے پاس اقتصادی و شرعی و قانونی ماہرین کے علاوہ مادی وسائل بھی دستیاب ہوں۔ یہ کام افراد یا انفرادی طور پر نہ کیا جائے تاکہ اختلاف و انتشار اور مفاسد کا پیش خیمہ نہ بنے۔

۶۔ افراط زر کی بنیاد پر کرنسی کی قیمت کے تعین کے لئے ایک مضبوط طریقہ کار/پیمانہ وضع کیا جائے جو اس حوالے سے متوقع طور پر پیدا ہونے والے مفاسد کا سد باب کیا جا سکے۔

۷۔ افراط زر کی وجہ سے مؤجل ادائیگیوں میں اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں قیمت کے تعین فریقین باہمی رضامندی سے صلح کے ذریعے کر کے نقصانات کو باہم تقسیم کرے۔ باہم متفق نہ ہو تو ثالثی اور عدالت کے ذریعے معاملات کو نمٹایا جائے۔ جیسا کہ مجمع فقہ الاسلامی نے اپنی سفارشات میں تجویز پیش کی ہے۔

۸۔ صلح اور ثالثی یا عدالتی کارروائی ہر دو صورت میں اقتصادی و شرعی ماہرین کی مدد و رہنمائی حاصل کی جائے تاکہ عدل و انصاف کے ساتھ مؤجل ادائیگی ممکن بنایا جائے۔

---

(51) البخاری، صحیح البخاری، رقم الحدیث، (۲۳۰۶)، ۲/۰۷۰۲۔